مرکز احیاء الفکر الاسلامی کا دینی، دعوتی، علمی، ادبی، تحقیقی، فکری اور اصلاحی ترجمان

ماهنامه

نقوشِ اسلام

Issue.No.6,7	اگست/ستمبر ۲۰۱۳ء (August,Sep 2013) شوال/ ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ	VOL.No.8

مجلس سرپرستان

مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
ولی مرتاض حضرت مولانا سید مکرم حسین سنسارپوری
عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم رائے پوری
پیر طریقت حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی

مجلس مشاورت

مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی — مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی
مولانا حسن مرچی — مولانا محمد عامر صدیقی ندوی
مولانا محمد احمد صالح جی — الحاج موسیٰ اسماعیل درسوت
مولانا حافظ محمد ایوب — مولانا یحییٰ بام
مولانا محمد اختر قاسمی — مولانا محمد منذر ندوی

مجلس ادارت

مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی ✿ مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری ✿ مولانا حمید اللہ قاسمی کبیر نگری

چیف ایڈیٹر	مدیر انتظامی	مدیر معاون
محمد مسعود عزیزی ندوی	حافظ عبدالستار عزیزی	ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی

شرح خریداری

ہندوستان کے لیے

فی شمارہ...................۱۵/روپے
سالانہ...................۱۸۰/روپے
خصوصی...... ......۵۰۰۰/روپے
ایشیائی، یورپی افریقی وامریکی ممالک کے لیے ۵۰/ڈالر

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ

NUQOOSH-E- ISLAM
MUZAFFARABAD.SAHARANPUR.247129
(U.P)INDIA. Cell.09719831058
E.mail : nuqooshe_islam@yahoo.co.in
masood_azizinadwi@yahoo.co.in
ماہنامہ ''نقوش اسلام'' مظفرآباد، سہارنپور 247129 (یوپی) انڈیا

رسالہ کے جملہ امور سے متعلق اس نمبر پر رابطہ کریں: **09719639955**

منیجر توسیع واشاعت : قاری محمد صالحین
08859806425 / 09813806392

Markazu Ihyail Fikril Islami , A/C No. 30416183580,S.B.I
Monthly Nuqoosh-e-Islam, A/C No. 30557882360,S.B.I

PRINTER, PUBLISHER AND OWNER MOHD.MASOOD AZIZI NADVI
PRINTED BY UNION PRINTING PRESS DEOBAND SAHARANPUR. PUBLISHED AT
Vill&P.O.MUZAFFARABAD, DISTT.SAHARANPUR (U.P) **EDITOR**:MOHD.MASOOD AZIZI NADVI

iles\A017.TI not found. Files\A025.TIF not found. iles\A017.TI not found.

اس شمارے میں

عناوین	مضمون نگار	صفحہ
اداریہ		۳
مدارس کا نیا تعلیمی سال اور......	محمد مسعود عزیزی ندوی	
صحبتے با اهل دل		۶
اصلاح واستفادہ سے کوئی مستغنی نہیں	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی	
تعلیم وتزکیہ		۱۰
دینی و تعلیمی کام کی اہمیت اور ضرورت	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	
تجزیہ		۱۳
اٹھا رکھے ہیں ہم نے کتنے کاسے......	عزیز بلگامی	
شذرات		۱۷
منتخبات	مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی	
دعوت واصلاح		۱۸
حسد اور حرص دو مہلک بیماریاں	محمد مسعود عزیزی ندوی	
یاد رفتگاں		۲۶
مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی......	حمیداللہ قاسمی کبیرنگری	
جائزہ		۳۰
بابیت اور بہائیت ایک تعارفی جائزہ	مولانا شاہ عالم گورکھپوری	
تزکیہ واحسان		۳۲
رہنمائے سلوک وطریقت	محمد مسعود عزیزی ندوی	
ایمان کی باد بہاری		۴۱
امریکہ میں ایک خاتون ڈاکٹر کا قبول اسلام	محترمہ ام سفیان	
عباد الرحمن		۴۳
رحمٰن کے بندے	مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری	
تبصرے		۴۸
نئی کتابوں پر تبصرہ	محمد مسعود عزیزی ندوی	

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے لئے شرح اشتہار

ٹائٹل صفحہ آخر رنگین	(فل سائز)	۳۰۰۰............
// // اول اندرونی	// //	۲۵۰۰............
// // آخر اندرونی	// //	۲۰۰۰............
صفحہ اندرونی	(فل سائز)	۱۰۰۰............
آدھا صفحہ اندرونی		۶۰۰............
¼ صفحہ //		۴۰۰............

○ اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اسی رسالہ کے ساتھ آپ کی سالانہ مدت خریداری پوری ہو رہی ہے، لہٰذا آئندہ کے لیے جلد ہی زر تعاون مبلغ ۱۸۰/روپئے ارسال فرمائیں، تاکہ رسالہ کو جاری رکھا جاسکے۔ (ادارہ)

نوٹ: شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں، ہر قسم کی چارہ جوئی کا حق صرف عدالت سہارنپور کو ہی ہوگا۔

پرنٹر پبلیشر: محمد مسعود عزیزی ندوی نے یونین آفسیٹ پریس دیوبند میں طبع کرا کے دفتر ماہنامہ نقوش اسلام مظفر آباد سے شائع کیا

کمپوزنگ: عزیزی کمپیوٹر سینٹر: مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد، سہارنپور، یوپی (الھند)

اداریہ

مدارس کا نیا تعلیمی سال
اور اہل مدارس کی ذمہ داریاں

محمد مسعود عزیزی ندوی

اس وقت مدارس اسلامیہ میں داخلوں کی کارروائیاں ہورہی ہیں، کہیں مکمل ہوگئی ہیں، اور تعلیمی نظام کی ترتیب قائم کی جارہی ہے، اسی مناسبت سے اہل مدارس کی خدمت میں بعض اصلاحی باتیں پیش کی جارہی ہیں، جیسا کہ ہمارے مدارس میں بہت سی چیزیں زمانے کے حساب سے بلکہ عصر جدید کے تقاضوں کے مطابق اختیار کی جارہی ہیں، تاکہ ہمارے مدارس اوران میں پڑھنے والے طلبہ زمانے کا ساتھ دے سکیں، زمانے کی ضرورتوں کو پورا کرسکیں، اور وہ زندگی کے ہر میدان میں کامیاب ہوسکیں، اس کی جتنی بھی جائز شکلیں ہیں، وہ اختیار کی جارہی ہیں، یاان کواختیار کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، اوراس میں بلاشبہ دوسری تمام چیزوں کی طرح تنافس اور کمپٹیشن کا سا معاملہ ہے۔

❁❁❁❁❁ ——— ❁❁❁❁❁

اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ جب ہمارے مدارس کی تعمیر کا معیار، حصول زر کا معیار، ترقی کا معیار، طلبہ کی کثرت کا معیار، نئے علوم اور فنون کی سہولت کا معیار اور بہت سی جدتوں کا معیار بڑھ رہا ہے، تو کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں جن کی طرف اہل مدارس دھیان نہیں دینا چاہتے، یاان کا ذہن ان باتوں کی طرف نہیں جاتا، مثلاً طلبہ کے کھانے میں کچھ تبدیلی لانے کا مسئلہ ہے، اس طرح کہ کھانے میں تھوڑا تنوع ہونا چاہئے، کیونکہ وسائل کی فراوانی ہے، اورخرچ ہرطرح کے کھانے میں ہوتا ہے، اس تنوع سے تمام ہی اہل مدارس واقف ہیں، کیونکہ جب ہمارے مدارس میں متمول، تجار، بزنس مین، یا مخیّرین حضرات تشریف لاتے ہیں تو ہمارے دسترخوان بہت وسیع، متنوع اور معیاری ہوتے ہیں، اگرچہ اس میں مہمانوں کا استقبال اور انکی تکریم اوران کی توجہ کو اپنے مدرسہ کی طرف مبذول کرانا مقصود ہوتا ہے، تو طلبہ جو مہمانان رسول ہیں، اورجن کی وجہ سے مخیّرین مدارس کا تعاون کرتے ہیں، ان کے لئے کیوں تنوع ممکن نہیں، جب کہ معمولی سا تنوع بھی ان کے لئے کافی ہوجاتا ہے، پھر کیا بات ہے کہ ان کو صرف دال یا ایک وقت گوشت اورایک وقت دال ہی دی جاتی ہے، کبھی کبھار پلاؤ بھی دی جاتی ہے، حالانکہ تھوڑی سی توجہ سے یہ معاملہ حل ہوسکتا ہے، پورے ہفتے کا Menu بنادیا جائے، اور پھر وہ مینو مخرین کو دکھایا جائے تو وہ خوش ہوکر زیادہ تعاون کریں گے۔

دوسری بات کھانے کے سلسلہ میں یہ ہے کہ یاتو طلبہ کو ایک جگہ بٹھا کر کھلایا جائے، اگراس میں دشواری ہوتو الگ الگ ناشتے دان میں کھانا دیا جائے، تاکہ کھانے کی بے حرمتی نہ ہواور طلبہ بے ڈھنگے انداز پر روٹی اور سالن لیکر نہ بھاگیں۔

❁❁❁❁❁ ——— ❁❁❁❁❁

ایک بات رہائش کے بھی متعلق عرض کرنی ہے کہ طلبہ نیچے مل مل کر جو لیٹتے ہیں، اس سے بہت سی اخلاقی خرابیاں پیدا ہوجاتی

ہیں، اس لئے الگ الگ بیڈ یا تختوں یا چار پائیوں کا انتظام کیا جائے، چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھائی بہنوں کے سلسلہ میں حدیث ہے کہ جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو ان کے بستر الگ کر دئے جائیں، تو یہاں تو سب حقیقی بھائی بھی نہیں ہیں، پھر اس کی طرف اہل مدارس کا کیوں دھیان نہیں جاتا؟ کیونکہ نیا تعلیمی سال شروع ہو رہا ہے، اس لئے ان باتوں کی تذکیر کی جارہی ہے، کہ شاید کسی کے دل میں اتر جائے اور کوئی اچھی شکل اختیار کر لی جائے۔

✿✿✿✿✿ ——— ✿✿✿✿✿

ایک اہم بات بچوں کی تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں عرض ہے کہ ان کی تعلیم کی طرف پورا دھیان دیا جائے، قرآن شریف ناظرہ یا حفظ صحت الفاظ اور تجوید کے ساتھ پڑھایا جائے، اور ان کو اردو لکھنے پڑھنے کی صحیح مشق کرائی جائے، اور تربیت بھی خاص طور سے کی جائے، مثلاً وضو عملاً کر کے دکھائی جائے، نماز عملاً پڑھ کر ہر واجب وسنت کو دھیان سے بتلایا جائے، ہر وقت وموقع کی مسنون دعائیں پڑھوائی جائیں، بلکہ ان کی عادت ڈالی جائے اور مزاج بنایا جائے، ذکر کی بھی عادت ڈالی جائے، تسبیحات کا بھی معمول بنایا جائے، کہ یہ سب باتیں ابھی مدرسے کی زندگی میں جلدی سے حاصل ہو سکتی ہیں، بعد میں مزاج بنانا مشکل ہوتا ہے، طالب علم کچے گارے کے مانند ہوتا ہے، جیسے اس کو ڈھالنا چاہیں، ڈھالا جا سکتا ہے، اساتذہ اور ذمہ دار بھی سنتوں کی پابندی کریں، کھانے کی سنت، پینے کی سنت، لیٹنے کی سنت، چلنے پھرنے کی سنت، نہانے دھونے کی سنت گفتگو کی سنت غرضیکہ ہر وقت کی سنتوں کا استحضار کر کے عمل کیا جائے، اور عمل کرایا جائے، پہلے بہ تکلف ان چیزوں کی عادت ڈالنی ہوگی، پھر عادت بن جائے گی، اور پھر سنتوں پر چلنے کا مزاج اور ذوق ہی نہیں بلکہ ذائقہ حاصل ہو جائے گا، اللہ تعالی مجھے بھی اور سبھی قارئین کو اتباع سنت نصیب فرمائے۔

✿✿✿✿✿ ——— ✿✿✿✿✿

دعوت وتبلیغ کا مزاج بنانے کے لئے ہر ہفتہ محلے میں طلبہ کی جماعتیں بھیجی جائیں اور صحیح اسلامی اور دعوتی اصول ان کو بتلائیں جائیں، اور زندگی میں نافذ کرنے کی ہدایت کی جائے، اگر ایسا نہ کیا گیا تو اہل مدارس کو اس سے غفلت برتنے پر خطرناک انجام سے دوچار ہونا پڑ سکتا ہے، اللہ حفاظت فرمائے، اس لئے اہل مدارس، اور ارباب بست وکشاد سے مخلصانہ درخواست کی جاتی ہے کہ امت کا جو پیسہ اور سرمایہ لگ رہا ہے، وہ صحیح لگ جائے، اور طلبہ کی تعلیم وتربیت کا، ان کا دعوتی مزاج بنانے کا اور اتباع سنت کا ماحول قائم کرنے کی کوشش کی جائے، اہل مدارس اس سلسلہ میں اپنے اکابر علماء سے مشورہ کریں بلکہ جو اس راہ کے رہ نورد ہیں اور ان کو تجربہ حاصل ہے، ان کا مشورہ لیں اور ان کی بات پر عمل کریں۔

✿✿✿✿✿ ——— ✿✿✿✿✿

آج کل ایک بات بہت تجربہ میں آتی ہے کہ اہل مدارس اور ذمہ داران کو ہر آدمی مشورہ دینے کے لئے تیار ہے، پروفیسر صاحب، انجینئر صاحب، میجر صاحب، ڈاکٹر صاحب، میکینک صاحب، تاجر صاحب اپنا مخلصانہ مشورہ تھوپتے رہتے ہیں، حالانکہ آپ نے کبھی نہیں سنا ہوگا، کہ کسی انجینئر کو کوئی ڈاکٹر انجینئرنگ کے سلسلہ میں مشورہ دیتا ہے، یا کوئی انجینئر کسی ڈاکٹر کو کسی مریض کے سلسلہ میں کوئی مشورہ دیتا ہے، پھر کیا مصیبت ہے کہ صرف اہل مدارس کو ہی ہر آدمی اپنا مشورہ دینے کی کوشش کرتا ہے،

بلکہ تھوپنے کی کوشش کرتا ہے، آج کل مدارس میں تعلیمی انحطاط کا یہ بھی ایک سبب ہے۔

✿✿✿✿✿ ——————— ✿✿✿✿✿

راقم کو مولانا مفتی خبیب رومی نے بتلایا کہ ایک مرتبہ ندوہ میں حضرت مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے ایک میٹنگ کی، جس میں مدارس میں تعلیمی انحطاط کے اسباب وعلل کے سلسلہ میں اساتذہ کرام کی رائے لی، اس زمانے میں ندوہ کے مہتمم مولانا ابوالعرفان صاحب ندویؒ تھے، وہ خاموشی سے سن رہے تھے، حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ نے ان سے فرمایا کہ آپ بھی اپنی رائے پیش کیجئے، تو انہوں نے بتلایا کہ سب سے اہم سبب تعلیمی انحطاط کا یہ بھی ہے کہ مدارس میں مثلاً چائے بیچنے والا چندہ دیتا ہے، وہ چندے کے ساتھ ساتھ اپنی رائے بھی دیتا ہے کہ اہل مدارس کو یہ پڑھانا چاہئے، اسی طرح ہر صنعت کار اور تاجر چندے کے ساتھ ساتھ اپنی رائے اور مشورہ بھی تھوپتا ہے، کہ آپ حضرات کو یہ کرنا چاہئے، یوں پڑھانا چاہئے، بھلا جو آدمی چائے بیچتا ہے، یا تجارت کرتا ہے، یا فرنیچر بناتا ہے، اس کو کیا معلوم کہ مدرسہ کس طرح چلتا ہے، اس میں کیا ضرورتیں پڑتی ہیں، کیا کیا اس کے لوازمات اور ضروریات ہیں، آج کل یہ سب باتیں ہمارے مشاہدے میں آتی رہتی ہیں، بس اللہ ہی حفاظت فرمائے۔

✿✿✿✿✿ ——————— ✿✿✿✿✿

بہرحال ذمہ داران مدارس سے گزارش ہے کہ تمام پہلوؤں کی طرف غیر جانبدارانہ انداز پر سوچیں، یہ نہ سوچیں کہ کس نالائق نے یہ باتیں لکھی ہیں، بلکہ یہ دیکھ لیں کہ واقعی باتیں اس قابل ہیں کہ ان پر عمل کیا جائے یا نہیں، اور کچھ تبدیل لائی جائے یا نہیں؟، بس انسان کے ذرا سے سوچنے پر بڑی تبدیلی آسکتی ہے، اور اللہ ہی ہر چیز پر قادر ہے۔ لعل اللّٰہ یحدث بعد ذلک امرا

صدقہ جاریہ میں حصہ لیجئے! **اعلان** صدقہ جاریہ میں حصہ لیجئے!

مرکز احیاء الفکر الاسلامی میں ایک اسلامک سینٹر مرکز الامام ابی الحسن علی الندوی للدعوۃ والبحوث الاسلامیہ کا قیام عمل میں آیا ہے، جس میں دارالافتاء، مجلس صحافت اسلامیہ، دارالبحوث والنشر، شعبہ کمپیوٹر، دفتر ماہنامہ ''نقوش اسلام'' وغیرہ ہوں گے، جس میں مختلف سائز کے کمرے اور ایک وسیع ہال ہے، اس کا مجوزہ نقشہ ٹائٹل پر چھپا ہوا ہے، اس کی تعمیر تکمیل کے قریب ہے، جس پر ۲۵/لاکھ کا خرچ آچکا ہے، کھڑکیوں، دروازوں اور رنگ وروغن کا کام باقی ہے، جس میں پانچ لاکھ کا مزید خرچ ہے، اہل خیر حضرات سے خصوصی گزارش ہے کہ اس کی تعمیر میں حصہ لے کر اپنے لئے صدقہ جاریہ بنائیں، اللہ تعالی معاونین کو دونوں جہاں کی کامیابی وسرخروئی عطا فرمائے۔

ناظم مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفرآباد، سہارن پور (یوپی) Mob:09719831058

Pictures\2012-09-05\Mail0001.JPG not found.

صحبتے با اہل دل

اصلاح واستفادہ سے کوئی مستغنی نہیں

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

جن لوگوں کو کسی مدرسہ میں پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے، یا وہ کسی بزرگ کی خدمت میں استفادہ اور تربیت کے لئے حاضر ہوئے ہیں، ان کو اس کا بخوبی اندازہ ہوگا کہ زمانہ کتنا ہی گزر جائے، اس طالب عالم کے لئے اپنے مدرسہ میں کھڑے ہو کر کچھ بیان کرنا یا اس جگہ جہاں وہ استفادہ کے لئے حاضر ہوا کرتا تھا، کچھ عرض کرنا کتنا مشکل کام ہے۔

میری مثال بالکل ایسی ہی ہے، اس لئے کہ میں ہمیشہ اپنے بزرگوں کی خدمت میں اور خصوصاً آخری دور میں حضرت مولانا (شاہ وصی اللہ) کی خدمت میں محض اس لئے آتا تھا کہ کوئی ایسی بات سننے میں آئے جس سے دل میں کچھ کیفیت پیدا ہو، یقین میں اضافہ ہو، اس میں ایمانی حلاوت نصیب ہو اور رسم وصورت میں حقیقت پیدا ہو۔

بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جو لوگ کچھ لکھ پڑھ جاتے ہیں یا ان کو کچھ تصنیف وتالیف کا اتفاق ہوتا ہے اور ان کی طرف کچھ نگاہیں اٹھنے لگتی ہیں کہ ہم بھی کچھ جانتے بوجھتے ہیں تو پھر اب ان کو کچھ سننے کی اور کہیں جانے کی اور کسی سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت نہیں تو ان کا یہ خیال بالکل صحیح نہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی دور میں بھی اور کسی عمر میں بھی، گمنامی اور شہرت کی حالت میں بھی استفادہ سے بلکہ اصلاح سے مستغنی نہیں ہوتا، ہماشا کا خیر ذکر کیا ہے، جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسی صحبت حاصل تھی، جس کو کیمیا اثر کہنا حقیقت میں اس کی کچھ تعریف نہ ہوگی، بس یوں سمجھئے کہ ایسی پاک صحبت جس کے بعد کسی صحبت کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا اور کوئی صحبت اس سے بڑھ کر مؤثر نہیں ہوسکتی، مگر پھر بھی صحابہ کرام کو آپ کے بعد ہمیشہ اس بات کی فکر وطلب رہتی تھی کہ اپنے ایمان میں اضافہ کریں اور ہمارے قلوب میں وہی سوز وگداز اور وہی کیفیت پیدا ہو جو صحبت نبوی میں حاصل ہوا کرتی تھی یا کم از کم اس کا اثر یا عکس ہی نصیب ہوجائے۔

چنانچہ بخاری شریف میں ایک جلیل القدر صحابی کا یہ قول امام بخاری نے نقل کیا ہے" اجلس بنا نؤمن ساعة" آؤ بھائی! تھوڑی دیر بیٹھ کر ذرا ایمان کی باتیں کرلیں اور ایمان کا مزہ اٹھالیں، ایمان کے جھونکے آئیں اور ہم اس سے لطف اندوز ہوں، اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کو اس کی ضرورت محسوس ہوئی تو بعد والے کیوں کر اس سے مستغنی ہوسکتے ہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے اور جن لوگوں کو تجربہ ہے وہ جانتے ہیں کہ کہنے سننے سے آدمی کے قلب میں ضرور ایک بے کیفی سی پیدا ہوجاتی ہے اور اس میں کہنا سننے سے زیادہ اثر انداز ہوتا ہے، سننے سے اتنی بے کیفی قلب میں نہیں پیدا ہوتی ہے جتنی کہنے سے ہوتی ہے، اس لئے ایسے لوگوں کو اس کی زیادہ ضرورت ہے کہ وہ کبھی سامع ہوں، قائل نہ ہوں اور کبھی صرف مستفید ہوں مفید نہ ہوں اور کبھی مخاطب ہوں مخاطِب نہ ہوں اور ہمہ تن گوش ہو کر کسی اللہ والے کی باتیں سنیں تاکہ قلب میں ایسا کیف پیدا ہو جس سے قلب کی زندگی ہے، غرض جن لوگوں کو ذرا بھی تجربہ ہے اور ان کے قلوب مردہ نہیں ہوچکے ہیں وہ خود جانتے ہیں کہ ان کو دوسروں سے ہزار درجہ زیادہ اپنے ایمان کو تازہ کرنے کی ضرورت ہے، اور اللہ والوں کی بات ادب وتعظیم کے ساتھ سننے کی ضرورت ہے، اگر وہ سمجھیں کہ ہم مستغنی ہیں یا ہم بھرے ہوئے ہیں تو ان سے زیادہ محروم وبدقسمت کوئی نہیں، بزرگان دین نے اس کی ایسی مثال بیان فرمائی ہے کہ اگر کوئی فقیر اس طرح صدا لگائے کہ یوں تو میرے پاس سب کچھ ہے، ہمارا کشکول بھی بھرا ہوا ہے، پھر بھی صدا لگاتا ہوں تو بڑے سے بڑے سخی کے اندر سخاوت کا جذبہ پیدا نہیں ہوگا، اس کے لئے تو اسباب کی ضرورت ہے کہ اپنے کو محتاج ظاہر کیا جائے، یہی حال

اب یہاں بھی ہونا چاہئے (یعنی اللہ والوں کے یہاں) ان حضرات کے یہاں اس طرح سے حاضر ہونا چاہئے کہ ہم بالکل خالی ہیں، مفلس محتاج بن کر آپ کی خدمت میں کچھ لینے کے لئے آئے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد مجھے اس کی ضرورت محسوس ہوتی تھی کہ میں ایسے حضرت کی خدمت میں حاضری دوں اور پھر ایسے دور میں اور ہمارے جوار میں مولانا وصی اللہ رحمہ اللہ علیہ سے زیادہ شفقت کرنے والا نظر میں کوئی نہیں تھا اور مناسب کی بات تو بالکل غیر اختیاری ہے، اس کے لئے کوئی معلوم اور متعین اصول نہیں ہیں، کیوں ہوتی ہے؟ کب ہوتی ہے؟ کیسے ہوتی ہے؟ اس کے اصول تو کسی بڑے سے بڑے حکیم نے بھی نہیں بتائے تو مناسبت منجانب اللہ ایک چیز ہے، بہر حال حضرت کی صحبت سے مجھے فائدہ ہوتا تھا، حضرت کی شفقتوں سے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں وہ تو ہمارے دوستوں کو اور یہاں کے حاضر باش لوگوں کو یاد ہوں گی، باقی سب سے بڑا فائدہ یہاں کی حاضری میں مجھے یہ ہوتا تھا کہ (جس کی شاید آپ حضرات توقع نہ کریں گے) وہ یہ کہ دین کی حقیقت ان ہی حضرات کے یہاں آ کر معلوم ہوئی، اگر کوئی اور فائدہ نہ ہوتا سوائے اس اصولی اور کلی فائدے کے تو سب سے بڑا فائدہ یہی تھا کہ کہیں تو آدمی کو یہ معلوم ہو کہ وہ کچھ نہیں جانتا، کہیں تو آدمی کو یہ معلوم ہو کہ وہ محتاج ہے، تو سب سے بڑی چوٹ جو یہاں آ کر دماغ پر لگتی ہے وہ یہ ہے کہ ہم تو بالکل عامی اور جاہل ہیں، ہمیں تو صرف نقش آتے ہیں، باقی دین کی حقیقت سے ہم بہت دور نظر آتے ہیں۔

مجھے یاد ہے کہ حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ نے جب حضرت مولانا اشرف علی تھانوی سے رجوع کیا تو ان کے بہت غالی معتقدین کو ناگوار ہوا اور سید صاحب سے احتجاج کیا کہ ہماری جماعت کی ایک طرح سے سبکی ہوئی کہ ہم نے آپ کو بڑا امام مانا تھا، گویا آپ شیخ الکل تھے اور ہر چیز میں آپ امام کا درجہ رکھتے تھے اور آپ نے دوسرے کا دامن پکڑ لیا تو اس سے ہماری خفت ہوئی، اس پر ایک دن سید صاحب نے فرمایا کہ یہ عجیب لوگ ہیں، ایک طرف تو میرے معتقد بنتے ہیں، دوسری طرف مجھ پر ہی اعتماد نہیں کرتے یعنی میں اپنا فائدہ سمجھ کر وہاں گیا تو ان کو اس سے اختلاف ہے، گویا میرے استاد بن کر مجھے مشورہ دیتے ہیں کہ آپ کہاں چلے گئے؟ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ میں ان سے پوچھ کر وہاں جاتا، میں تو اپنا فائدہ اس میں دیکھتا ہوں اور آپ کی خاطر وہاں نہ جاؤں، گویا اس دولت سے میں محروم رہوں۔

ان حضرات کے یہاں جو باتیں ملتی ہیں وہ صرف نکتے اور موشگافیاں نہیں ہیں وہ تو ذہانت کا نتیجہ ہے، درحقیقت ذہانت کے چار درجے ہیں اور جو ذہانت کا آخری درجہ ہے وہ روح کی ذہانت ہے، یہ روح کی ذہانت ایسی لطیف ہے کہ بیان الفاظ میں مشکل ہے، جہاں سرحدیں ختم ہوتی ہیں، دماغ کی ذہانت (جس سے پہلے زبان کی ذہانت کا درجہ تھا) وہاں سے قلب کی ذہانت شروع ہوتی ہے، اور جہاں قلب کی ذہانت کی سرحد شروع ہوتی ہے وہاں سے روح کی ذہانت کی سرحد شروع ہو جاتی ہے، اور وہ اللہ تعالی کے ان مخلص اور مقبول بندوں کو حاصل ہوتی ہے جن سے اللہ تعالی تربیت کا کام لیتے ہیں، اس میں سامنے ہونا نہ ہونا، مسافت کا قرب وبعد، معرفت وعدم معرفت سب برابر ہے، کوئی چیز اس کے لئے شرط نہیں، ان حضرات کی روح اتنی براق اتنی سریع الادراک ہوتی ہے کہ بلا کسی شرط کے خیر وشرک کی تمیز ان کو حاصل ہو جاتی ہے، خصوصی طور پر ان حضرات کے یہاں جو چیز مجھے محسوس ہوتی ہے وہ یہی ہے اور وہ بھی اللہ تعالی کا مجھ پر بہت بڑا فضل ہے کہ بغیر کسی وجہ کے جس کی وجہ مجھے خود نہیں معلوم، اللہ تعالی نے ایسے بندوں کے پاس مجھے پہنچا دیا، حضرت مولانا محمد الیاس کے یہاں ہم نے روح کی ذہانت کے کھلے نمونے دیکھے اور پھر حضرت (شاہ وصی اللہ) میں، میں نے ان دونوں بزرگوں میں بہت زیادہ مشابہت دیکھی، اگر چہ اللہ تعالی نے ان دونوں بزرگوں سے الگ الگ کام لیا، ذوق بھی دونوں کا الگ الگ تھا، لیکن بہت سی چیزوں میں مشارکت تھی خصوصاً قلب کی ذہانت اور روح کی ذہانت۔

بہر کیف میں ان حضرات کے یہاں اس لئے آیا کرتا تھا کہ کبھی تو

اس پر رعونت اور فریب خوردہ کو یہ محسوس ہو کہ وہ کچھ نہیں ہے، کیونکہ اس سے بڑھ کر آدمی کے لئے کوئی چیز خطرناک نہیں ہے کہ اس کو کبھی یہ محسوس نہ ہو کہ کوئی کوچہ ایسا بھی ہے جس سے وہ واقف نہیں اور خاص طور سے دین کے متعلق اگر یہ ذہن میں آ جائے کہ مجھے سب کچھ معلوم ہے اور اب مجھے کسی کے پاس جانے کی ضرورت نہیں تو اس سے زیادہ خطرناک کوئی چیز نہیں، ایسا آدمی جو بھی دعوی کر دے بعید نہیں ہے، اور اسی طرح کے لوگوں نے دعوی بھی کیا ہے، ان لوگوں نے دعوی نہیں کیا جو پہاڑ کے نیچے کھڑے تھے کہ سر اٹھاتے تو دیکھتے کہ آسمان بھی بہت اونچا ہے بلکہ جو لوگ سمجھے کہ ہم پہاڑ کی چوٹی پہ پہنچ گئے ہیں، انہوں نے دعوی کیا ہے، انسان کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی چیز محافظ نہیں اور اس پر یہ بڑا افضل ہے کہ اس کو یہ معلوم ہو کہ دین کی ایسی جگہیں بھی ہیں جہاں جا کر دین کی وہ باتیں سننے یاد یکھنے میں آ سکتی ہیں جس سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ ہمارا میدان نہیں اور یہاں ہمارا گزر نہیں۔

کوئی شخص اگر ایسا ہو کہ بولنے پر آئے تو بولتا جائے اور لکھنے پر آ جائے تو لکھتا جائے اور دنیا بھر کے لوگ مل کر اس کی تعریف کرنے لگیں تو اس سے کچھ نہیں ہوتا، بلکہ ''سری دین'' جس کو علامہ اقبال نے کہا ہے، اس کو کرنے کی ضرورت ہے اور وہ اللہ کے ان خاص بندوں ہی کے پاس ہوتا ہے، یہی چیز تھی جس کی وجہ سے حضرت ملا نظام الدین بانی درس نظامیہ نے سید عبدالرزاق بانسوی کا دامن پکڑا جو بالکل ہمارے بارہ بنکی اور لکھنو کے دیہات کی بولی بولتے تھے جیسے آوت ہے، جاوت ہے، یہ ان کی زبان تھی مگر ملا نظام الدین کا یہ حال ہے کہ مناقب رزاقیہ میں دیکھتے چلے جائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو ان کے مقابلے میں بالکل ہیچ سمجھ رہے ہیں اور آپ ہر دور میں اس کی مثال دیکھیں گے، تیرہویں صدی میں مولانا عبدالحیٔ جن کو شاہ عبدالعزیز خود شیخ الاسلام کا لقب دیتے ہیں، اور مولانا اسماعیل شہید جن کو (شاہ صاحب) حجۃ الاسلام کے لقب سے یاد کرتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ شیخ الاسلام عبدالحیٔ اور حجۃ الاسلام مولانا اسماعیل شہید اگر چہ یہ دونوں میرے عزیز ہیں اور مجھ سے چھوٹے ہیں مگر اظہار حق واجب ہے، اس لئے کہتا ہوں کہ اللہ تعالی نے ان لوگوں کو وہ مقام عنایت فرمایا ہے کہ جو کمتر کسی کو حاصل ہے۔

نیز فرماتے ہیں کہ ان کو مجھ سے کم نہ سمجھو، تو ان لوگوں کو دیکھئے کہ سید احمد شہید سے رجوع ہوئے جو کہ امی تو نہیں تھے مگر محض فارسی داں تھے، اور جو کوئی پاس سے گزرتا اس سے پوچھتے، ارے بھائی! اس لفظ کے کیا معنی ہیں؟ ذرا بتاتے جایئے، ان کا یہ علم تھا اور مولانا عبدالحیٔ سے تو انہوں نے پڑھا لکھا بھی تھا، اس کے باوجود ان دونوں حضرات نے سید صاحب کی رکاب تھامی تو مرتے دم تک نہ چھوڑی، جب کوئی پوچھتا کہ آپ لوگوں نے سید صاحب میں کیا بات دیکھی جس کی وجہ سے ان کی طرف رجوع کیا؟ حالانکہ وہ علم میں بھی آپ کے مقابل میں کوئی مقام نہیں رکھتے، تو فرماتے: بھائی! ہم کو نماز پڑھنی بھی نہیں آتی تھی انہوں نے نماز پڑھنا سکھایا، روزہ رکھنا نہیں آتا تھا انہوں نے روزہ رکھنا سکھایا، نیز فرمایا کہ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ جیسی اور بہت سی چیزیں ہیں، یہ بھی ضروری ہے کہ کوئی جگہ ایسی ہو جہاں پڑھے لکھوں کو بھی جا کر معلوم ہو کہ میں کچھ نہیں ہوں، اگر خدا نہ خواستہ ایسی جگہیں ختم ہو گئیں اور ایسے اللہ کے بندے نہ رہے، اگر صرف مدعیان علم رہ گئے اور ہم جیسے لوگ رہ گئے جن کے متعلق لوگ معلوم نہیں کیا کیا سمجھتے ہیں، تو یہ بڑے خطرے کی بات ہے۔

عالم نشود ویراں تا میکدہ آباد است

اللہ تعالی کا بہت بڑا افضل ہے کہ کچھ ایسے حضرات موجود ہیں جہاں نہ کسی خوش بیانی کی ضرورت ہے اور نہ کسی بڑے وسیع مطالعہ کی حاجت، یہ سب چیزیں تو ہر جگہ موجود ہیں۔

میں تو کہا بھی کرتا ہوں اور اس میں تنہا نہیں ہوں کہ آج کل کے علماء کے وعظ سے میرا جی نہیں لگتا، جلسے کی تحقیر اور علماء کی تنقیص نہیں کرتا اور اس کے فائدہ کا بھی انکار نہیں، لیکن خدا جانے کیا بات ہے، اس کو بیماری سمجھ لیجئے کہ میرا جی نہیں لگتا، ہمارا جی تو بس ایسے وعظ میں لگتا ہے جس میں خالص اللہ اور اس کے رسول کی بات پرانے انداز سے کہی

جائے اور جنت ودوزخ کا تذکرہ کیا جائے، چنانچہ جب یہ حضرات تقریر کرتے ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ نہ یہ کتابی علم ہے نہ کتابوں کی باتیں ہیں، بلکہ یہ علمی باتیں ہیں سیدھی سادی دین کی باتیں اور ایسے انداز سے کہی جاتی ہیں کہ ہم کو بھی اس سے فائدہ ہوتا ہے۔

حضرت مولانا کی خدمت میں بھی ہم جب آتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ جو کچھ فرمارہے ہیں وہ حقیقت ہے اوران کے یہاں لب لباب ہے، یہ نہیں کہ ایک چیز کو خوب پھیلا کر بیان کیا جارہا ہے، یہ چیز تو ہم کو دوسری جگہ نہیں ملتی، ہمارے یہاں کتب خانے اور دوسرے ذرائع ہیں جن سے ہم کسی بھی مضمون کو پھیلا سکتے ہیں، لیکن ان حضرات کے یہاں ان کی نوعیت ہی کچھ اور ہے۔

مولانا جامی نے ایک عالم کا جو مکالمہ سنایا کہ میں اور جگہوں پر گیا وہاں یہ چیز محسوس نہ ہوئی جو حضرت کی خدمت میں آکر محسوس ہوئی، اس کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ بزرگوں کے یہاں کوئی بنیاد، کوئی نیا علم، کوئی نئی تحقیق، کوئی نیا انکشاف نہیں ہے، اس بارے میں بھی لوگ بہت غلط فہمی میں ہیں، معلوم نہیں کیا سمجھتے ہیں کہ بزرگان دین کے یہاں جاکر کیسے کیسے دین کے اسرار ونکات اور عجیب عجیب تحقیقات سننے میں آئیں گی، تو یہ بھی ہوتا ہے، چنانچہ محی الدین ابن عربی کے یہاں تو ایسے ایسے نکات ہیں کہ بڑے بڑے فلسفی ان کے سننے کے بعد کان پکڑلیں اور سمجھیں کہ ہمیں تو علم کی ہوا بھی نہیں لگی، لیکن ان حضرات کے یہاں سے جو چیز لینے کی ہے، وہ یہ کہ صورت اور رسم میں حقیقت پیدا کی جائے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہی خلاصہ بھی ہے تصوف کا، جس کا مطلب گویا بس اس کے سوا کچھ نہیں کہ نماز تو پڑھتے ہیں صحیح نماز پڑھنے لگیں اور دین کے سارے شعبوں میں حقیقت نہیں تھی، نیت صحیح نہیں تھی، اخلاص صحیح نہیں تھا، رخ صحیح نہیں تھا، حقیقت پیدا ہوجائے اور نیت درست ہوجائے اور اللہ کی رضائے کے لئے ہم اس کو کرنے لگیں اور شریعت کے احکام کی تلاش اوران کا اہتمام پیدا ہوجائے، نیز ان کا ادب واحترام پیدا ہوجائے، احکام شرعیہ کا اہتمام اور انتظام یہ دونوں ہی چیزیں ضروری ہیں۔ ۞

مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی کی

اہم تصانیف

۱- مختصر تجوید القرآن (بروایت حفص اردو) ۱۰/روپئے

۲- بچوں کی تمرین التجوید (تجوید کے قواعد، مشق اور طریقہ تدریس اردو) ۱۰/روپئے

۳- جیب کی تجوید (تجوید کے ضروری قواعد کا پاکٹ سائز مجموعہ) ۳/روپئے

۴- ریاض البیان فی تجوید القرآن (بروایت حفص عربی) ۲۰/روپئے

۵- رہنمائے طریقت (شریعت وطریقت، تصوف وسلوک، اخلاق حمیدہ ورذیلہ) ۱۰/روپئے

۶- مراجع الفقہ الحنفی ومیزاتہا (فقہ حنفی کے مراجع اوران کی خصوصیات، عربی) ۵/روپئے

۷- الامامۃ فی الصلاۃ مسائلہا واحکامہا (امامت کے مسائل واحکام، عربی) ۳۰/روپئے

۸- التدخین بین الشرع والطب (تمباکو ونشہ آور چیزیں وغیرہ، عربی) ۲۰/روپئے۔

۹- حیات عبدالرشید (حضرت رائے پوری کے خلیفہ حضرت حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوریؒ کی سوانح حیات) ۵۰/روپئے

۱۰- سیرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ (حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب کے والد ماجد کی سوانح حیات) ۵۰/روپئے

۱۱- تذکرہ مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ (مولانا محمد میاں شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ دہلی وناظم اعلی جمعیۃ علماء ہند کے حالات زندگی اور کارنامے) ۵۰/روپئے

۱۲- تذکرہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ (مولانا اشرف علی تھانوی کے مختصر حالات زندگی) ۸/روپئے

۱۳- تذکرہ علامہ سید سلیمان ندویؒ (علامہ ندویؒ کے مختصر حالات زندگی) ۸/روپئے

۱۴- تذکرہ حضرت مدنی (حضرت سید حسین احمد مدنی کے مختصر واہم حالات) ۸/روپئے

۱۵- چند مایہ ناز اسلاف قدیم وجدید (انیس بزرگوں کے حالات) ۱۵۰/روپئے

۱۶- مقالات ومشاہدات (مختلف موضوعات پر ۲۷/مضامین کا مجموعہ) ۳۰/روپئے

۱۷- مکتوبات اکابر (۲۰/بزرگوں کے خطوط کا مجموعہ) ۳۰/روپئے

۱۸- چندہ دینے، دلوانے اور لینے کے آداب واصول ۱۰/روپئے

۱۹- افکار دل (۳۰/تقریروں کا مجموعہ) ۱۰۰/روپئے

۲۰- تذکرہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری ۲۰۰/روپئے

۲۱- مدارس کا نظام تحلیل وتجزیہ ۲۰/روپئے

۲۲- سیرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۱۰/روپئے

۲۳- میری والدہ مرحومہ (نقوش وتأثرات) ۱۵/روپئے

۲۴- قادیانیت نبوت محمدی کے خلاف بغاوت ۱۰/روپئے

۲۵- لڑکیوں کی اصلاح وتربیت ۱۵/روپئے

۲۶- تذکرہ حضرت حافظ عبدالرشید رائے پوری ۱۰/روپئے

۲۷- نقوش حیات (تذکرہ حضرت مولانا عبدالرحیم متالا)

ملنے کا پتہ

مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد، سہارنپور (یوپی)

تعلیم وتزکیہ

دینی وتعلیمی کام کی اہمیت اور ضرورت

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

ہندوستان کو آزادی ملنے پر مسلمانوں کو اقلیت میں ہونے کے باعث سخت حالات کا سامنا تھا، یہ حالات مسلمانوں کے مذہبی عقیدہ اوران کے اسلامی تشخص کے لئے ایک طرح سے چیلنج بننے لگے تھے، اس صورت حال کے پیش نظر امت کے غیرت منداور اسلامی تشخص کو برقرار رکھنے کا مخلصانہ جذبہ رکھنے والے اہم افراد اکٹھا ہوکر اس عزم پر متفق ہوئے کہ مسلمانوں کی نئی نسل کو جو اس نئے آزاد ہونے والے ملک میں جہاں کے مسلمان اقلیت میں ہیں، ملک کی عام فضا جو اسلامی فکر وعقیدہ کے موافق نہیں ہے، اس سے بچانے کے لئے اس کے ابتدائی مرحلہ ہی میں ضروری قدم اٹھانا ہے اور کوئی بہتر نظام طے کرنا ہے، کیونکہ نئی نسل کسی بھی قوم کی ہو، کسی بھی ملک کی ہو، اپنے ماں باپ کے ماحول سے نکل کر جب دوسروں سے سیکھنے اور اثر لینے کے مرحلہ میں داخل ہوتی ہے تو اپنے اخلاق وکردار اور عقائد وافکار پر ان کا پورا اثر قبول کرتی ہے، اور اس طرح وہ اپنے مذہب وثقافت کے لحاظ سے دیگر مذاہب وثقافت والوں سے مختلف ہونے کی وجہ سے ورثہ میں حاصل کردہ اخلاق وکردار سے محروم ہوجاتی ہے، ان منفی اثرات سے بچانے کے لئے اگر ابتداء ہی میں ضروری تدابیر اختیار نہیں کی جاتیں تو یہ نسل بڑی ہوکر اپنی ملت وقوم کے طور طریق پر چلنے والی نہیں ہوتی اور اس کا فکر وخیال غیروں سے ماخوذ ہوتا ہے۔

لہٰذا ملت کے دانشوروں کا یہ فریضہ ہوتا ہے کہ نئی نسل کی ابتدائی تعلیم ہی میں ان باتوں کو بچوں کے ذہن میں پیوست کرنے کا نظام بنائیں کہ جن سے ان کے ملی اور ایمانی تشخص کی بنیاد مضبوط پڑ جائے، اسی ضرورت کی اہمیت کو سامنے رکھ کر دینی تعلیمی کونسل کی تشکیل عمل میں لائی گئی تھی اور کونسل نے اپنے فریضہ کو انجام دینے کی فکر کی اور اپنے گزشتہ نصف صدی کے دور میں مسلمان بچوں کی ابتدائی تعلیم کے ایسے مکاتب قائم کئے جن میں شہری زندگی کے مضامین کے ساتھ دینی واسلامی عقائد اور دین کی بنیادی باتیں بچوں کے ذہنوں میں اتار دی جائیں اور اس کا نظام ایسا بنایا جو ایک طرف اقتصادی لحاظ سے خود کفیل تھا اور دوسری طرف ملک کے سیکولر نظام کے تعلیمی ڈھانچہ سے دستوری لحاظ سے متصادم بھی نہ تھا اور یہ اس لئے کہ دستور ہند کے دائرہ میں رہنے کی پابندی کی بنیاد پر اس کو اکثریت یا حکومت کی طرف سے رکاوٹ پیش نہ آئے اور تیسری بات یہ بھی پیش نظر رکھی گئی کہ کونسل کو اس بات کا بھی جائزہ لیتے رہنا ہے کہ ملک کے سیکولر دستور کے دائرہ میں رہتے ہوئے حکومت وقت کو بھی اس بات کی پابندی رکھنا ہے کہ وہ ملک کے شہریوں کے لئے ایسا نصاب تعلیم اختیار نہ کرے جس میں اکثریت کو اکثریت کا مقام حاصل ہونے کی بنا پر اس کے مذہب کے عقائد ورسوم کی پابندی عائد کی جائے، لہٰذا دینی تعلیمی کونسل کے ذمہ داروں نے اس بات کو بھی اپنے پروگرام میں رکھا کہ حکومت کے اسکولوں میں جاری کردہ نصاب تعلیم میں مذہبی عقائد کی کوئی ایسی بات نہ آئے، جس سے ایک مذہب کی رعایت میں دوسرے مذہب کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔

اس وقت ہم جب ملت کی باعزت اور قدروں کی حامل زندگی کے حالات کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمارے شعور میں بے چینی پیدا ہوجاتی ہے، کیونکہ اس ملک کے مسلمانوں کے اپنے ملی تشخص کے بقا کے حالات میں بڑی سنگینی نظر آتی ہے، اسی کے ساتھ مسلمانوں کے ملی شعور میں خاصی کمی نظر آتی ہے، اگر عوام کی طرف سے دینی وملی کام کی پوری ہمت

افزائی نہیں ہوتی اوراس کوجس طاقت کی ضرورت ہے اس کووہ طاقت اپنی ملت سے پوری پوری حاصل نہیں ہوتی تواس کے کرنے والے جو بھی پروگرام بنائیں اور جوبھی نظام طے کریں وہ ملت کی ضرورت کوزیادہ پورانہیں کرسکتااور جب کہ اس ملک میں فرقہ وارانہ منفی ذہنیت کی وجہ سے بڑے بڑےنقصانات سامنے آ رہے ہیں اورملت کی زندگی کی اعلی قدروں میں تبدیلی پیدا کئے جانے کے اثرات ظاہر ہونا شروع ہوگئے ہیں، ایسی صورت میں دینی وتعلیمی کام کی اہمیت بہت زیادہ سامنے آ رہی ہے، اوراس کوعوام میں تقویت ملنے میں کمی پائے جانے سےافسوس ہوتاہے،اور مستقبل کے خطرات کااحساس بڑھ جاتا ہے۔

گذشتہ زمانہ میں جب اس ملک میں مسلمانوں کا وقاراورعزت صحیح مقام پرتھی اوران میں اپنی ملی قدروں کااحساس بھی عام تھاتو مسلمانوں کی آغازعمر کی نسل کانشوونماان کے بڑوں کی توجہ کے ساتھ ہوتا تھااور مناسب تربیت پاتی تھی اوروہ یہاں پھیلے ہوئے عقیدہ شرک سے اجتناب کے ساتھ اور خدائے واحد کی عظمت اوراس کی صحیح تابعداری کے احساس کے ساتھ اورامت مسلمہ کے صحیح عقائدورجحانات ومبادی سے واقفیت اوران پر یقین کے ساتھ پروان چڑھتی تھی، گھروں میں اور گھروں سے باہر مسجدوں میں اس نئی نسل کوآغازعمر ہی سے صحیح ذہنی غذاملنی شروع ہو جاتی تھی جس کے انجام دینے والے گھر کے بزرگ اور بوڑھے افراد ہوتے تھے، اس کے ساتھ مسجدوں کے امام ومؤذن حضرات سے مددلی جاتی تھی، یہ سلسلہ جدید ہندوستان میں اب موقوف ہو چکاہے، اوراس کا کوئی متبادل سلسلہ باقائدہ قائم نہیں، اب صرف نئی نسل کے وہی بچے ان خطرات سےمحفوظ ہو پارہے ہیں جوعلوم دینیہ کے مدارس میں بھیجے جاتے ہیں؛لیکن ان کی تعدادسو میں تین چار سے زیادہ نہیں، باقی تعداددینی اقدار کے لحاظ سے برباد ہورہی ہے کیونکہ گھروں میں وہ سابق نظام باقی نہیں رہا، اوراس کے بجائے بازاروں کی اشتہاری دنیااورروزانہ اخبارات کی طرف سے غیرمحتاط رخ دینے اور پھرٹی وی کے پروگرام جن سے ہمہ دم سابقہ پڑتا ہے، وہ نئی نسل کو کس خطرناک تغیر کی طرف لے جارہے ہیں، اس کا اندازہ سب کرسکتے ہیں، ایسی صورت میں اگر ہم ان حالات کو بدل نہیں سکتے کیونکہ یہ ملک کی قومی زندگی میں اس طرح سرایت کرگئے ہیں جس طرح پانی میں کسی رنگ کی آمیزش سے رنگ سرایت کرجاتا ہے،توکم ازکم ہم اس کا کچھ بدرقہ اختیار کرسکتے ہیں اوروہ بدرقہ ہمارے یہ ابتدائی تعلیم کے اسلامی پرائمری مدارس ہیں جودینی تعلیمی کونسل اوراسی جیسے عوامی اداروں کی سربراہی میں عوامی وسائل سے چلائے جاتے ہیں،ان میں قومی اسکولوں میں دی جانے والی ذہنی تشکیل کی غذاسے جو ایک مسلمان کواپنی ملی اور دینی قدروں سے ہٹانے والی ہے، سابقہ پڑنے سے پہلے ہی مسلمان بچوں کواپنے خدائے واحداور رسول خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے متعارف کرایا جاتا ہے اوران سے ان کامذہبی اورعقائدی رشتہ قائم کیا جاتا ہے، کہ وہ اپنے عقائدکوغیروں کےعقائدکے سامنے تحلیل ہونے سے بچاسکیں۔

مسلمانوں کے لئے مذہب کے سلسلہ میں یہ جاننااور ماننا ضروری ہے کہ ان کامذہب توحیدکامذہب ہے جس میں خداکوایک ماننااورتنہااسی کی بندگی کرناضروری ہے وہ شرک کی کسی قسم وشکل کوقبول نہیں کرتا، نیز یہ کہ مذہب اسلام بالکل کامل ومکمل مذہب ہے، زندگی کے تمام معاملات میں وہ خیرخواہانہ رہنمائی کرتاہے، اس کے نبی حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے انہیں تعلیمات کے لئے بھیجے گئے، ان کی تابعداری اوران کے احکام پرعمل ضروری قراردیا گیا، اسلام میں یہ جاننا اور ماننا بھی ضروری قرار دیا گیا کہ انسانوں کی موجودہ زندگی کے بعد دوسری زندگی بھی ہوگی جس کوآخرت کہتے ہیں، جہاں ہماری اس دنیا کی زندگی میں کئے گئے ہمارے اچھےاور برے کاموں کا بدلہ ملے گا، اسلام کوئی زبردستی کامذہب نہیں ہے، وہ کسی پرزبردستی کرکے اپنے کوماننے پر مجبور کرنے کونہیں کہتا، وہ اچھی باتوں کی طرف دعوت دیتاہے، اورسب انسانوں کے ساتھ خواہ گورے ہوں یا کالے، امیرہوں یاغریب، سب کے ساتھ برابری کامعاملہ کرنے کی تلقین کرتاہے۔

اسلام نے ہم کو جو تعلیمات دی ہیں ان کا جاننا اور ماننا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے، چنانچہ ہم کو اس ملک میں جہاں طرح طرح کے عقیدے اور مذاہب ہیں، اپنی نئی نسل کے ذہنوں کو ان کی عمر کے آغاز ہی میں اسلام کے صحیح عقیدہ وعمل سے واقف کرادینا ضروری ہے، تاکہ وہ اپنے صحیح راستہ سے بھٹکنے سے محفوظ رہیں، ہمارے دینی تعلیمی اداروں کی ساری جدوجہد یہی ہے، جب ابتدائی مرحلہ کے بعد تعلیم کے قومی نظام میں شامل ہو تو اس کے عقائد اور دینی بنیاد صحیح قائم ہو سکے اور وہ اپنے کو مسلمان ملت کا فرزند سمجھے اور اپنی بنیادی قدروں سے آشنا ہو، اس میں اس کو دھوکہ کھانے سے اور غیروں کے مخالفانہ اثرات سے محفوظ رہنے کا راستہ مل جائے گا۔

اس کی فکر بڑھانا چاہئے کہ دینی وتعلیمی کام زیادہ ہمت اور توجہ سے انجام دیا جائے اور زیادہ سے زیادہ علاقوں میں مکاتب قائم ہوں اور ان کے ذریعہ نئی نسل کے دل ودماغ میں اسلام کے بنیادی عقائد ومسائل راسخ کردیئے جائیں تاکہ اس کے ذریعہ کم سے کم ان کا اسلامی ذہنی تشخص محفوظ رہے اور وہ اپنے اس قیمتی تشخص سے محروم نہ ہوجائیں، سب کو اس کی فکر کی ضرورت ہے کہ ہم اس ملک میں اپنے ایمان واسلام کی سلامتی کے ساتھ زندگی گزاریں اور ہمارا یہ عقیدہ اور یہ اسلامی تشخص ہم سے چھینا نہ جاسکے، اس کے لئے اس کام سے دلچسپی بڑھانے کی اور اس کے لئے مناسب کارگزاروں کے آگے بڑھنے کی اور کام کے سنبھالنے کے لئے سامنے آنے کی ضرورت ہے۔

❁❁❁❁

﴿بقیہ......صفحہ ۴۰﴾

وصول الی اللہ کے طریقے:

تفصیل اس کی یہ ہے کہ واصل بحق ہونے اور وصول الی اللہ کے تین طریقے ہیں: (۱)اطول۔ (۲)اوسط۔(۳)اقل واقرب۔

اول اطول: یہ ہے کہ کثرت صوم وصلوۃ، تلاوت قرآن کریم وحج اور جہاد وغیرہ کرنا، یہ طریق اخیار کا ہے۔

دوم اوسط: ان امور کے علاوہ مجاہدہ اور ریاضت، اخلاق ذمیمہ کے ازالہ اور اخلاق حمیدہ کی تحصیل میں مشغول ہونا، اور اکثر اسی طریق سے واصل ہوتے ہیں، یہ طریق ابرار کا ہے۔

سوم اقل واقرب: طریق عشق کہ ریاضتوں اور صحبت خلق سے گھبراتے ہیں، صرف ذکر، فکر، شکر اور دردوشوق واشتیاق ان کا کام ہوتا ہے، اس سے واصل بحق ہوتے ہیں، اسی طریق سے تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب اور تجلیہ روح میں مشغول ہوتے ہیں اور کشف وکرامات کو بعوض جو بھی نہیں خریدتے اور "مُوتُوا قَبلَ أَنْ تَمُوتُوا" پر مستقیم ہوتے ہیں، یہ طریق شطاریہ کا ہے۔

علامات رسوخ اخلاق: اخلاق کے رسوخ کی علامت یہ ہے کہ جس وقت، جس خلق کا موقع پیش آوے، اس وقت بلا التفات، بلا اختیار تدبیر فوراً یا ادنی تدبیر سے اس خلق کا بامحل استعمال ہو۔

مرید کے لئے ضروری ھدایات:

مرید کے لیے ضروری ہے کہ ان مقامات میں وہ برابر ترقی کرتا رہے، اور ان مقامات کے لیے طاعت واخلاص اصل ہے، اور اس کی بنیادی اور مقدم شرط ایمان ہے، پھر اس کے نتیجہ میں کچھ احوال وصفات اور نتائج وثمرات ظاہر ہوتے ہیں، یہاں تک کہ مرید درجہ بدرجہ توحید اور معرفت کے بلند مقام پر پہنچ جاتا ہے، اگر کسی مقام وحالت میں صحیح اور مطلوب ثمرات نہ حاصل ہوں تو سمجھ لینا چاہئے کہ پہلے والے مقام میں کوئی تقصیر رہ گئی ہے، اور ٹھیک اسی طرح واردات قلبی اور کیفیات نفسی میں بھی سمجھنا چاہئے، اس لیے ضروری ہے کہ مرید اپنے قول وفعل کا برابر محاسبہ کرتا رہے اور جائزہ لیتا رہے کیونکہ اعمال کے نتائج وثمرات کا ظہور ضروری ہے، اور اگر نتائج وثمرات ٹھیک طور پر نہیں ظاہر ہو رہے ہیں، تو اس کا سبب عمل میں کوئی کمی یا کوتاہی ہے، مرید اپنے اعمال کا محاسبہ اپنے ذوق ووجدان کے ذریعہ کرتا ہے، لیکن یہ صفت بہت کم لوگوں کو حاصل ہے اور عام طور پر لوگ اس معاملہ میں غفلت کا شکار ہیں''۔

تجزیہ

اُٹھا رکھے ہیں ہم نے کتنے کاسے......!

عزیز بلگامی

ساری دُنیا میں عام اتفاق رائے یہ ہے کہ ہندوستان میں مسلمان بڑی کسمپرسی کی زندگی گزارتے ہیں، اِدھر ہندوستانی مسلمان بھی اس حقیقت کے سلسلے میں دو رائے نہیں رکھتے کہ نہ صرف ہندوستان بلکہ سارے عالم کے مسلمان زبوں حالی کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں،کل ملا کر کیفیت یہ ہے کہ پونے دوسو کروڑ نفوس پر مشتمل یہ عالمی قوم اپنی ذلّت ونکبت کے بدترین دور سے گزر رہی ہے، بدبختی کے اِس گہرے کالے سمندر میں خوشحالی کے کچھ چمکدار جزیرے اِدھر اُدھر موجود ہو سکتے ہیں، بلکہ ہیں،لیکن ان کے ہونے نہ ہونے سے اِتنی عظیم آبادی کی زبوں حالی میں کچھ فرق واقع نہیں ہوتا، پھر اس پر مستزاد یہ کہ اسے کم ازکم اِس کسمپرسی کے ساتھ ہی سہی، چین سے جینے تک نہیں دیا جاتا بلکہ اِس کے خلاف ظلم وستم کی بھٹیاں سلگتی رہتی ہیں؛ کیونکہ طاقتور قومیں کمزور اقوام کو بہت کم برداشت کر پاتی ہیں، اِس صورتحال سے گھبرا کر نوجوانانِ قوم یا تو ہتھیار اُٹھا لیتے ہیں یا کاسۂ گدائی تھام لیتے ہیں، ظالم کی خوشنودی اِن کی زندگی کا نصب العین بن جاتا ہے، چونکہ ہتھیار اُٹھالینا متعدد وجوہات کی بنا پر سارے ہی نوجوانوں کے بس کی بات نہیں ہوتی، اِس لیے آخری چارۂ کار کے طور پر جو چیز اِن کے لیے باقی رہ جاتی ہے وہ حقوق کے حصول کی مہم جوئی ہے...... چاہے یہ پرامن ہی کیوں نہ ہو یا جمہوری سیٹ اپ Democratic Setup میں حاصل اِجازت کے تحت ہی کیوں نہ چلائی جائے۔دلچسپ مگر عبرت انگیز بات یہ ہے کہ جو عناصر اِس صورتحال کو پیدا کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں وہی مسلمانوں کی اُمیدِ حق وانصاف کا مرکز بن جاتے ہیں اور اِن ہی سے وہ اپنے حقوق کے طلب گار بن جاتے ہیں، نہ صرف ہندوستان بلکہ ہندوستان سے باہر بھی جہاں کہیں مسلمان آباد ہیں کم وبیش اِسی طریقۂ کار کے خوگر نظر آتے ہیں،حقوق انسانی کے لشکروں نے بھی اِنہیں آدابِ گداگری کے درس خوب سکھائے ہیں، کیوں اور کس طرح ظالموں کو رام کیا جائے یا اپنے حقوق کی اِن سے لڑائی کس طرح چھیڑی جائے، اوّل تو یہ اِنہیں اقلیت واکثریت کا فلسفہ سکھاتے ہیں، پھر یہ باور کراتے ہیں کہ اقلیت کو اکثریت کے در پر سوالی بن کر بس مانگتے رہنا چاہیے، چاہے اکثریت دینے پر راضی ہو کہ نہ ہو،اِس ذہنیت کو فروغ دینے والوں کی ذہنی سطح اِس قدر پست ہوتی چلی جاتی ہے کہ یہ بالآخر اقلیتوں کو بھیک منگوں کا گروہ بنا کر رکھ دیتے ہیں،اِس کا نفسیاتی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اقلیتیں مانگتے رہنے ہی کو بھی ایک حق ہی سمجھنے لگتی ہیں اور اِس کے لیے مہمات سر کرنے میں مصروف ہوجاتی ہیں، پھر جب یہ جدوجہد ''کامیاب'' ہوجاتی ہے تو اِس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ اِن کے اِس حق کو ملک کے دستور میں جگہ نصیب ہوتی ہے اور انہیں اپنے حقوق طلب کرنے کی اجازت مل جاتی ہے، مطلب یہ کہ ایک حق کے طور پر مانگتے رہنے ہی کو Constitutional Status حاصل ہوجاتا ہے، یعنی اُن کے سر کے اقلیتی تاج میں دستوری بھکاری کا طرہ ٹانک دیا جاتا ہے، تاکہ وہ خوب اچھی طرح محسوس کرلیں کہ اُنہیں اب مانگنے کا حق حاصل ہو گیا ہے، پھر اِس حق کے حصول کے لیے پارٹیاں بنتی ہیں، لیڈرشپ وجود میں آتی ہے اور احتجاجات،نعرے،جلوس، وعدے، تجاویز، جلسے، دھواں دار تقریریں، غرض کہ ہاؤ ہو کا بازار گرم ہوجاتا ہے، اکثریت نواز سیاسی پارٹیوں کی سیاسی دکانیں خوب چمکتی ہیں۔

مسلمانوں کے صحافی، قلمکار، ادیب، شاعر، دانشور، سیاسی رہنما،

مذہبی رہنما، مذہبی جماعتیں سب کے سب ایک آواز میں اِنہیں یہی درس دینے میں مصروف ہوجاتے ہیں کہ اُنہیں چونکہ ''صاحبِ کاسہ'' ہونے کا ''شرف'' حاصل ہوگیا ہے، اِس لیے حقوق کی لڑائی پورے ''آن بان'' کے ساتھ لڑنی چاہیے، جو اُنہیں از روئے دستور حاصل ہیں۔

سوچیے کہ یہ کس قوم کا حال ہے!! یہ اُسی قوم کا حال ہے جس کا دستورِ زندگی ایک ایسی کتابِ پاک تھی جس میں اپنی ذات کے لیے کسی حق کو طلب کرنے کا کہیں اِشارہ تک نہیں ملتا؛ بلکہ یہ ایک ''مظلوم حقیقت'' ہے کہ اِس کتاب نے اِس کے ماننے والوں کو صرف دینا سکھایا تھا، لینا یا مانگنا نہیں، کتاب اللہ کے مومنوں سے ہم مخاطب ہیں کہ ہمیں بتایا جائے کہ قرآن پاک کے کہیں کسی مقام پر اِشارۃً بھی یہ بات موجود ہے کہ ہمیں کسی سے کچھ لینے کی نصیحت کی گئی ہے؟ بخدا......! قرآن تو بس دینے اور دیتے رہنے ہی کی نصیحت نہیں بلکہ تاکید ہی تاکید کرتا ہے، اور مستحقین کے لیے Payments میں کسی قسم کی غفلت پر عذاب کی وعیدیں سناتا ہے۔

اِس مضمون میں ہم حقوق کے طلب کی مہم جوئیوں کے درمیان گھرے ہوئے مسلمانوں کی اور اِن کے مصروفِ حقوق طلبی رہنماؤں کی یاد دہانی کرانے کی کوشش کریں گے کہ کتاب اللہ نے حقوق طلبی کے سلسلے میں مسلمانوں کو کیا پیغام دیا تھا اور خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن کے لیے کیا نمونہ چھوڑا ہے، پھر پیغمبروں نے اپنے اپنے زمانے میں کن مہمات کی قیادت فرمائی تھی اور آج مسلمان کن مصروفیات میں اپنے آپ کو اُلجھا رکھا ہے۔

قرآن پاک کی اوّلین سورۃ ہی میں ہمیں ایک آیت کا ایک ایسا فقرہ ملتا ہے جس میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ مدد صرف خالقِ کائنات سے طلب کی جاسکتی ہے اور کی جانی چاہیے: ''......اِیاک نستعین'' (تیری ہی ہم (مدد......اور) اِستعانت کے طلبگار ہیں) جو قوم دن میں پچاسوں بار صرف خدا سے مدد طلب کرنے کا باوضو دعویٰ کرتی ہے، کیا اُس کے لیے یہ مناسب ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں میں کاسۂ گدائی لیے مختلف دروازوں پر بھیک مانگتی پھرے، چاہے یہ بھیک حقوق ہی کی کیوں نہ ہو۔!! یہ بات عقل میں سماتی بھی نہیں کہ کوئی کیسے کسی کو دینے کے قابل ہوسکتا ہے جب کہ اِس کائنات کی ہر شے اُسی خالق و مالک کے در کی بھکاری ہے، جس کی مدد طلب کرنے کا ہم ہر لمحہ دعویٰ کرتے رہتے ہیں، سورۂ رحمٰن میں اللہ تعالےٰ نے اِرشاد فرمایا ہے: ''آسمانوں اور زمین (کے چپہ چپہ میں) جو شے بھی موجود ہے (اُس کی بارگاہ میں) دستِ سوال دراز کیے کھڑی ہے (تو دوسری جانب ان سائلوں کی دست گیری کرنے میں وہ ایک نئی شان کے ساتھ ہر دن (مسلسل برسرِ کار ہے)'' اِسی طرح سورۂ حج کی ایک آیت بھی ہمارے لیے عبرت کا سامان فراہم کرتی ہے: ''اے کرّۂ ارض کے باشندو! ایک تمثیل پیش کی جاتی ہے، جسے توجہ سے سماعت کرو: اللہ کے بجائے (یہ جو تم) جن جن کو پکارتے رہتے ہو، یہ (سب کے سب) ایک مکھی کو معرضِ وجود میں لانے کے لیے مجتمع ہوجائیں (تو تم دیکھو گے کہ) وہ ایک مکھی کی بھی ہرگز تخلیق نہیں کر پائیں گے۔ (تخلیق تو دور کی بات ہے) اگر کوئی مکھی اِن سے کوئی شے جھپٹ لے جائے تب بھی وہ اُس کی بازیافت نہیں کرسکیں گے (یہ تمثیل اِس حقیقت پر مہر تصدیق ثبت کردیتی ہے کہ کس قدر) ضعف زدگی کا مارا ہوا ہے، طلب گار بھی اور وہ بھی جس سے طلب کیا جارہا ہے''۔

دراصل مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی تھی کہ وہ امیر ہوں کہ غریب، صاحبِ مال ہوں کہ تنگ دست اُنہیں بس عطا کرتے رہنا ہے، اللہ کے ضرورت مند بندوں کو دیتے رہنا ہے، اللہ ایسے ہی رحم دل انسانوں کو پسند کرتا ہے، کتاب اللہ میں لیتے رہنے کا کہیں ذکر ہی نہیں ملتا، سورۂ آل عمران میں کتنے صاف الفاظ میں یہ بات کہی گئی ہے: ''جو لوگ ہر حال میں انفاق کرتے ہیں، خواہ بد حال ہوں یا خوشحال، جو اپنے غصہ کو پی جاتے ہیں، اور انسانوں کے قصوروں کو معاف کردیتے ہیں، سلوکِ احسن کرنے والے ایسے ہی لوگ اللہ کو بڑے محبوب ہیں۔

اِس انسانیت نواز تعلیم کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی کچھ اس انداز

میں ذہن سازی کی گئی تھی کہ لوگوں کو دیتے رہنے کے اس عمل کا کوئی صلہ حاصل کرنے کی آرزو اُن کے حاشیۂ خیال میں تک نہ آنے پائے، بلکہ وہ لوگوں کو عطا کرتے ہوئے اعلان کریں کہ یہ سب کچھ صلے سے بے نیاز ہو کر کیا جا رہا ہے، رب تعالیٰ نے سورۂ دہر میں ہمیں اِس کا درس دیا ہے: ''(اپنے عطیات پر اِن منکسر المزاج انسانوں کا موقف یہی ہوتا ہے جس کا وہ بار بار اپنے کردار سے اظہار کرتے رہتے ہیں کہ) درحقیقت تمہاری جانب ہمارا یہ دست تعاون بڑھانا حصولِ رضائے الٰہی کے لیے ہے، (ورنہ) ہم تم سے کسی صلے کے متمنی نہیں ہیں، نہ (اِس کے کہ) تم ہمارے مشکور (یا ممنونِ کرم) ہو جاؤ''۔

برا ہو مادہ پرستی کا کہ اُس نے بندگانِ خدا پر خرچ کرنے کو نقصان کا سودا باور کرایا اور قلاش ہونے کے خوف کو لوگوں کے دلوں میں کچھ یوں بٹھایا کہ لوگ بخیل سے بخیل تر بنتے چلے گیے، جن میں کثیر تعداد میں اب مسلمان بھی شامل ہیں، حالانکہ سورۂ بقرہ میں صاف طور پر فرمایا گیا تھا: ''جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، اُن کے خرچ کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک دانہ بویا جائے اور اس سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں، اسی طرح اللہ جس کے عمل کو چاہتا ہے افزونی عطا فرماتا ہے، وہ فراخ دست بھی ہے اور علیم بھی''، اِسی طرح سورۂ طلاق کی اِن آیتوں میں اللہ نے مسلمانوں سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ: ''......اور جو اللہ سے ڈرتا رہے گا، اپنی ہر سرگرمی میں تقویٰ کرتا ہوگا، تو اللہ پریشانی کے معاملات میں اُس کے لئے باہر نکلنے کا راستہ (یعنی Exit) بنا دیگا اور اسے ایسی جگہ سے رزق Provisions فراہم کریگا، جس کا اس نے سوچا بھی نہ ہوگا اور جو کوئی اللہ پر توکل کرتا ہو، اُس پر بھروسہ کرتا ہو، تو اللہ اس کو کافی ہو جائے گا......''۔

آج ہم اپنی بدبختی کا رونا روتے پھرتے ہیں، ہمیں شکایت ہے کہ زمین میں ہمیں قرار نصیب نہیں، ہماری ہوا اُکھڑ گئی ہے؛ لیکن ہمیں یہ تجزیہ کرنے کی کبھی توفیق نہیں ہوتی کہ یہ صورتحال آخر پیدا کیوں ہوئی اور اس کے اسباب کیا ہیں، یہ حقیقت ہے کہ جو قوم بندگانِ خدا کے لیے نفع بخش نہیں ہوتی وہ یا تو دنیا میں بے اثر ہو کر رہتی ہے یا مٹا کر رکھ دی جاتی ہے، سورۂ رعد کی اِس آیت کا مضمون اِسی حقیقت پر دلالت کرتا ہے: ''اللہ نے آسمان کی بلندیوں سے بارش نازل کی، سو......اپنی اپنی مقدار میں ندی نالے بہہ نکلے اور یہ بہاؤ جھاگ اُٹھا لایا یا پھولا ہوا کچرا اور معدنیات سے زیورات اور قیمتی کارآمد اشیاء بنانے کیلئے جب آگ میں تپایا جائے تو اُس میں بھی اسی طرح جھاگ ابھرتا ہے، اس طرح بیان کرتا ہے اللہ حق اور باطل کو، تو جو جھاگ یا کچرا ہوتا ہے وہ سوکھ کر معدوم ہو جاتا ہے اور جو انسانوں کے لئے نفع بخش ہوتا ہے، اسے اللہ زمین میں ٹھہراؤ عطا کرتا ہے (Establish) اس طرح بیان کرتا ہے اللہ مثالیں''۔

ہم زمین پر بے اساس ہیں تو اس کا سبب یہی ہے کہ ہم انسانیت کے لیے منفعت بخش نہیں رہے، ہم مانگنے والی قوم بن کر رہ گئے، دینے والی نہیں، ہم نے کتاب اللہ کو کیا چھوڑا کہ شیطان نے ہمیں اُچک لیا اور ہر چہار جانب سے یہی درس ہمیں ملنے لگا کہ ہم کو اپنی زندگی مانگتے ہوئے گزارنی ہے، دُنیا سے ہمیں بس لینا ہے، دنیا کو دینا نہیں ہے۔

یہ بھی تو سوچئے کبھی تنہائی میں ذرا
دُنیا سے تم نے کیا لیا دنیا کو کیا دیا

جس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کا ہمیں دعویٰ ہے، وہ کیا تھے، اور اُنہوں نے کیا اُسوہ ہمارے لیے چھوڑا، سورۂ انبیاء کی اس آیت میں خود رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ''ہم نے آپؐ کو سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے''۔

رحمت بنا کر بھیجے جانے کا مطلب کیا ہے؟ یہی نا کہ دنیا جن کی کرم فرمائیوں سے زیر بار ہو جائے، کیا کوئی مانگنے والی قوم کسی کے لیے رحمت بن سکتی ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خرچ کرنے سے متعلق گفتگوؤں کو آیاتِ قرآنی اور احادیث کے ذریعہ اس قدر عام فرما دیا تھا کہ آپؐ سے لوگ خود ہی حاضر ہو کر پوچھتے رہتے کہ کیا اور کن مدوں پر خرچ کیا جائے!! جیسا کہ سورۂ بقرہ کی اِس آیت میں نظر آتا ہے:

''اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! لوگ آپؐ سے دریافت کرتے ہیں: ہم کیا خرچ کریں؟ جواب دیجیے کہ جو خیر بھی (جیسے نیکی، حسن سلوک، بھلائی، مال یا وقت) تم خرچ کرو، اپنے والدین پر، رشتہ داروں پر، یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کرو اور خیر (کے ان کاموں میں سے) جو بھی کام تم انجام دو گے، اللہ اُس سے باخبر ہوگا''۔

پھر وارننگ بھی دیتے کہ کسی پر احسان جتانے کی ضرورت نہیں، سورۂ بقرہ کی اِس آیت میں یہ وارننگ موجود ہے: ''اے ایمان والو! اپنے صدقات کو، احسان جتا کر اور جذبات کو ٹھیس پہنچا کر اُس شخص کی طرح خاک میں نہ ملا دو، جو اپنا مال محض لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتا ہے'' پھر کسی پر خرچ کرنے کی جو اسپرٹ تھی وہ سورۂ دہر کی اِن آیتوں میں کچھ اِس طرح بتائی گئی: ''اور اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو طعام فراہم کرتے ہیں اور اُن سے کہتے ہیں کہ ہم تمہیں صرف اللہ کی خاطر کھلا رہے ہیں، ہم تم سے نہ بدلہ چاہتے ہیں نہ ہدیۂ شکریہ''۔

دوسری سورۂ بقرہ کی اِس آیت میں نیکیوں کی جو حقیقت بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ: ''محض اپنے چہروں کو مشرق و مغرب کی سمت پھیر لینے کا نام نیکی نہیں ہے'' پھر اصل نیکیوں کی جو فہرست گنائی گئی ہے اِس کا بیشتر حصہ لوگوں کو دینے ہی سے عبارت ہے جیسے حبِّ الٰہی کی بنیاد پر اپنے اقرباء کی مالی امداد، یتیموں کی مالی امداد، مسکینوں غریبوں اور محتاجوں کی مالی امداد، مسافروں (یا راستوں میں مختلف مقاصد کے لیے دوڑ دھوپ کرنے والوں کی) مالی ضروریات اور Public Utilities items سے جڑی خدمات پر خرچ، دستِ سوال دراز کرنے والوں کی (بخوشی) مالی اعانت، متنوع Liabilities کے نرغے میں پھنسے ہوئے لوگوں (یا قیدیوں) کا مالی (و قانونی) تعاون...... زکوٰۃ کی ادائیگی کا اہتمام......''۔

اپنے اپنے زمانوں میں دیگر پیغمبروں نے بھی کبھی اقتدارِ وقت سے کوئی حقوق طلب نہیں کیے، قرآن حکیم نے جن جن پیغمبروں کے تذکرے رکارڈ کیے ہیں، یہ سب کے سب اِس حقیقت پر گواہ ہیں، ہر پیغمبر نے اپنے سرکش مخاطبین سے یہی کہا کہ میں جو کچھ پیش کر رہا ہوں، اِس کا تم سے میں کوئی اجر نہیں چاہتا، میرا اجر تو اللہ کے پاس محفوظ ہے۔

آخر میں ہم وہ مقدس Statement پیش کریں گے جن میں نہایت واضح الفاظ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے طرزِ زندگی کو ایک صحیح سمت عطا کی تھی اور آج بھی ان امور کے مطابق اپنی زندگی کا لائحہ عمل متعین کرنے میں ہماری عزت و آبرو کی بازیابی اور ہماری بقا کی ضمانت مضمر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''میرے رب نے مجھ کو نو باتوں کا حکم دیا ہے'':

۱) چھپے اور کھلے، ہر حال میں اللہ سے ڈرتا رہوں۔
۲) ناراضی اور خوشی، ہر کیفیت میں انصاف کی بات کروں۔
۳) تنگ دستی اور مالداری، ہر حالت میں میانہ روی اختیار کروں۔
۴) جو مجھ سے کٹے، میں اس سے جڑوں۔
۵) جو مجھے محروم رکھے، میں اسے عطا کروں۔
۶) جو مجھ پر ظلم کرے، میں اسے معاف کردوں۔
۷) میری خاموشی غور و فکر کے لئے ہو۔
۸) میرا بولنا اللہ کی یاد اور ذکر کے تحت ہو۔
۹) میرا دیکھنا عبرت کا دیکھنا ہو، معروف اور اچھی باتوں کا حکم کرتا رہوں اور منکرات اور بری باتوں سے منع کرتا رہوں''۔

گدائی رب کے در کی کیا بھلا دی
اُٹھا رکھے ہیں ہم نے کتنے کاسے

کیا ہم اِن ''کاسوں'' کو کسی دور دراز کے گہرے سمندر میں پھینک آنے کے کبھی قابل بھی بن پائیں گے؟ کیا ہم اپنے رب کی رحمتوں کے طلبگار بھی کبھی ہو سکیں گے؟ یا مالک الملک ہمیں ذِلّت کی سیاہ کھائی سے نکلنے کی توفیق نصیب فرمانے والا بس تُو ہی تو ہے۔

شذرات

منتخبات

مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی استاد مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور، رائے بریلی

ایک موقع پر جب سید صاحب (حضرت سید احمد شہیدؒ) حج کے لئے تشریف لے جارہے تھے کلکتہ کے ایک بہت بڑے تاجر نے آپ سے عرض کیا کہ آپ جس جہاز سے جارہے ہیں وہ بہت معمولی قسم کا جہاز ہے، مناسب یہ ہے کہ آپ ''عطیۃ الرحمٰن'' نامی جہاز سے تشریف لے جائیں، اس لئے کہ اس پر ساٹھ ضرب توپ چڑھی ہے، محمد حسین ترک اس کا ناخدا ہے، اور وہ چالیس جہازوں کا کپتان ہے، آپ اس پر سوار ہوں جس وقت آپ ملک عرب میں پہنچیں گے، وہاں کے لوگ آپ کی عزت وحرمت کریں گے۔

یہ سن کر آپ کا چہرۂ مبارک غصہ سے متغیر ہوگیا، فرمایا کہ غلام حسین خان! یہ تم نے کیا کہا؟ عزت وحرمت تو خدا کی طرف سے ہوتی ہے، بندے کی طرف سے نہیں، ہم دنیا کی قدر ومنزلت کو ایسا جانتے ہیں جیسا کہ سڑا ہوا کتا۔

مولانا شبلی نعمانی (۱۹۱۴ء-۱۸۵۷ء) نے ایک مضمون لکھا تھا، جس کا عنوان تھا ''ندوۃ العلماء کیا کررہا ہے؟'' اس مضمون میں کلکتے کے اخبار ''حبل المتین'' شمارہ ۱۰/اگست ۱۹۰۶ء کا ایک اقتباس مولانا اسحاق جلیس ندوی کی تاریخ ندوۃ العلماء حصہ اول سے بعض اضافوں کے ساتھ درج ذیل ہے:

''جس زمانہ میں روسی قوم بت پرست تھی، شہنشاہ روس ولادی میر نے (مذاہب کی تحقیق کے لئے) ایک جلسہ طلب کیا تھا، جس میں علمائے اسلام کو بھی بلایا تھا، جو صاحب اس غرض کے لئے قازان سے تشریف لائے تھے، انہوں اسلام کے تمام عقائد اور فلسفے میں سے صرف یہ مسئلہ منتخب کرکے پیش کیا کہ اسلام میں سور (خنزیر) کا گوشت کھانا بالکل حرام ہے) مؤرخ روس لکھتے ہیں کہ ''شہنشاہ روس ولادی میر اسلام کی طرف مائل تھا اور چاہتا تھا کہ تمام قوم روس کے لئے مذہب اسلام کا انتخاب کردے، لیکن قازانی عالم نے شریعت کے تمام احکام میں سے صرف اس مسئلہ کو پیش کرکے اس پر اس قدر زور دیا کہ شہنشاہ نے غصہ میں آکر انہیں دربار سے نکلوادیا، اور عیسائی مذہب قبول کرلیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ (روس کے) چھ کروڑ آدمی عیسائی ہوگئے''۔

مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ خدا کے بندوں کے خدا کے دین کی طرف بلائیں، مگر وہ اس کے برعکس یہ کررہے ہیں کہ آپس کے جھگڑوں سے لوگوں کو اسلام سے بدکائے ہوئے ہیں، یہ موجودہ زمانہ کا سب سے بڑا جرم ہے، قازان کے عالم کی غلطی یہ تھی کہ انہوں نے زار سے غیر حکیمانہ گفتگو کی، جس سے وہ بدک گیا، آج کے مسلمانوں کی غلطی بھی یہی ہے کہ وہ اپنے مخاطب گروہوں سے بے فائدہ مقابلہ آرائی جاری کئے ہوئے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اسلام کے مخالفین کے دل اسلام کے بارے میں سخت ہوگئے ہیں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے سلسلہ میں مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی رقمطراز ہیں: ''اپنے عزیزوں کی دلداری کے سلسلہ میں ان کا یہ واقعہ بھی ہمارے لئے ناقابل فراموش ہے کہ ۱۹۶۲ء میں حج بیت اللہ کی سعادت ہمیں مولانا کی ہمراہی میں حاصل ہوئی، منی میں ایک ہی جگہ ہمارا قیام تھا، خیموں کے درمیان میں ایک کھلا سا خیمہ نماز وغیرہ کے لئے تھا، عصر کی نماز سے پہلے مولانا تنہا وہاں بیٹھے، کچھ لکھنے میں مشغول تھے، کہ ہم ان کے پاس پہنچ گئے، ہم نے مولانا سے پوچھا چائے پئیں گے؟ مولانا کی آمادگی پر، ہم باہر ہوٹل سے چائے...... ہوٹل کے معمولی سے برتنوں میں چائے لاکر رکھی ہی تھی کہ مولانا کے میزبان بہت عمدہ شاہانہ قسم کے برتنوں میں زعفرانی چائے لیکر آگئے، ہماری ہوٹل والی چائے اور اس کے معمولی سے فنجان اس کے سامنے بالکل ماند پڑ گئے، مولانا نے ہمارے خلوص کی لاج رکھ لی، خود اس چائے میں سے پی اور دوسرے حاضرین جو اس وقت تک آچکے تھے، ان کو میزبان والی چائے پلائی، یہ مولانا کے حسن اخلاق کا چھوٹا سا نمونہ ہے۔

دعوت واصلاح

حسد اور حرص دو مہلک بیماریاں

محمد مسعود عزیزی ندوی

یہ مضمون دراصل راقم کا ایک بیان ہے، جو ۲۲؍دسمبر ۲۰۱۰ء بروز بدھ بعد نماز مغرب مرکز کی جامع مسجد میں نوجوانوں کے ایک مجمع میں ہوا، اس کی افادیت کے پیش نظر قارئین کی نذر کیا جا رہا ہے۔

اللہ ہماری حیثیتوں کے مطابق نوازتاھے:

میرے محترم اور دینی بھائیو! اللہ تبارک وتعالی نے ہم سب کو ہماری حیثیتوں کے مطابق نعمتوں سے نوازا ہے، جو جس نعمت کا لائق ہے، جو جس نعمت کے قابل ہے، جو جس صلاحیت کا مالک ہے اس کو وہی دی، جس کے اندر یہ صلاحیت ہے کہ وہ کھیتی اچھی طرح سے کر سکتا ہے، اس کو کھیتی دی، جس کے اندر صلاحیت ہے کہ وہ اچھے طریقہ سے مزدوری کر سکتا ہے، اللہ تعالی نے اس کو طاقت دی ہے، جس سے وہ مزدوری کرتا ہے، جس کے اندر یہ صلاحیت رکھی ہے کہ وہ علم حاصل کر سکتا ہے، تو اس کو علم دیا ہے، غرضیکہ دنیا کے ہر شعبہ میں اللہ تعالی نے خود ہی ایسے فیصلے فرمائے ہیں، کسی کے بس کی کوئی بات نہیں، چونکہ ہمارا ایمان ہی تقدیر پر ہے۔

سارے فیصلے اللہ کی طرف سے ھیں:

سارے فیصلے اللہ نے اپنے حساب سے کئے ہیں، کسی کو خوبصورت بنا دیا تو کسی کو کالا بنا دیا، کسی کو تگڑا پہلوان بنا دیا تو کسی کو دبلا پتلا بنا دیا، اس میں ہماری عقل کو، ہمارے دماغ کو اور ہماری کسی بھی چیز کو دخل نہیں ہے، اللہ نے جو فیصلے کر دئے ہیں، سب اس کی طرف سے اور اس کی منشاء کے مطابق ہیں، اسی لئے جب یہ سب فیصلے اللہ کی طرف سے ہیں، اگر کوئی انسان اس پر اعتراض کرے کہ اللہ تعالی نے مثلاً اس کو حسین وخوبصورت کیوں بنا دیا، میرے بیٹے یا میرے فلاں عزیز کو کالا کیوں بنا دیا، تو وہ گویا کہ اللہ کے فیصلے پر اعتراض کر رہا ہے، وہ اللہ کے فیصلہ پر راضی نہیں ہے، اللہ نے اس کو اتنی زمین دیدی اور میرے پاس ایک کھوڑ بھی نہیں ہے، اللہ نے اس کے بیٹے کو عالم بنا دیا اور میرا بیٹا جاہل کا جاہل رہ گیا، اس کے بیٹے نے دسویں کلاس پاس کر لی اور میرا بیٹا پہلی تک بھی نہیں پہنچا، یہ سب فیصلے اللہ کی طرف سے ہیں، ہمیں تو صرف محنت کرنا اور کوشش کرنا ہے۔

کوشش کرنا ھمارا فریضه ھے:

انسان اپنی طرف سے کوشش کرے، دنیا کو حاصل کرنے کی بھی، دین کو حاصل کرنے کی بھی، اور زندگی کی جتنی بھی چیزیں ہیں، سب کے سلسلے میں کوشش کرنا انسان کا فریضہ ہے، پھر فیصلہ اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے ہے، کہ کس کے لئے اللہ تعالی نے کیا مقدر کیا ہے، اس کے لئے عالم بننا مقرر کیا ہے، اس کے لئے بہترین بزنس مین بننا مقرر کیا ہے، اس کے لئے بہترین وکیل بننا متعین کیا ہے، اس کے لئے بہترین ماسٹر بننا متعین کیا ہے، اس کے لئے بہترین کاشتکار بننا متعین کیا ہے، اس کے لئے بہترین ٹیلر بننا متعین کیا ہے، غرضیکہ جس کیلئے جو بہتر سمجھا وہی اس کو بنایا، یہ مکینک ہے، یہ انجینئر ہے، یہ ڈاکٹر صاحب ہیں، یہ ماسٹر صاحب ہیں، یہ کسان ہے، یہ فیکٹری کا مالک ہے، یہ بادشاہ ہے، یہ وزیر اعظم ہے، یہ فقیر ہے، یہ مفلس ہے، حسب حیثیت اللہ نے جس کے اندر جیسی صلاحیت رکھی، جیسا دماغ رکھا، اس کے حساب سے اس کے متعلق فیصلے کئے ہیں اور وہ صلاحیتیں اس کو عطا کیں ہیں۔

دوسروں کی نعمتوں کو دیکھ کر جلنا حسد کھلاتاھے:

لیکن ہم لوگ کہتے تو ہیں کہ بھائی اللہ ہی سب کچھ دیتا ہے، روزی روٹی سب اللہ دیتا ہے، سب اللہ کی طرف سے ہے، پھر بھی ہم لوگ

اعتراض کرتے ہیں، پھر بھی ہم دوسروں کی نعمتوں کو دیکھ کر اپنے اندر ایک کڑھن رکھتے ہیں، ایک جلن رکھتے ہیں، اس لئے آج ہم تھوڑی سی بات اسی موضوع پر کریں گے، یعنی حسد اور حرص کے متعلق، ایک حسد ہوتا ہے، یعنی دوسروں کی نعمتوں کو اور دوسروں کی چیزوں کو دیکھ کر جلنا، دل میں کڑھن پیدا کرنا، اور ان کے زائل ہونے کی تمنا کرنا، اور ایک حرص ہوتی ہے، یعنی دوسروں کی چیز کو دیکھ کر طبیعت میں لالچ آنا، تو دونوں بڑی بیماریاں ہیں، ایسی بیماریاں ہیں کہ جن سے دنیا تو برباد ہوتی ہی ہے آخرت بھی برباد ہوتی ہے۔

بربادی کے دو پوائنٹ:

آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر جب طوفان آیا، تو انہوں نے مخلوق کے ہر ایک جوڑے کو اپنی کشتی کے اندر بیٹھا لیا، کشتی میں بیٹھانے کے بعد ایک بوڑھا آدمی بھی نظر آیا، جس کو کوئی پہنچانتا نہیں تھا، لوگوں نے شکایت کی کہ حضرت دیکھو یہ کون ہے، اس کو بلایا کہ بھائی تو کون ہے؟ کہا میں تو شیطان ہوں، تو حضرت نوح علیہ السلام نے اس کو ڈانٹا کہ نالائق کمبخت، شیطان تو نے بدمعاشی کی، تو کیوں اور کیسے کشتی میں آیا؟ اس نے کہا کہ بس حضرت معاف کر دو غلطی ہوگئی، حضرت نوح نے فرمایا کہ ایسے ہی تھوڑا ہی معاف ہو جائے گا، شیطان بولا حضرت چھوڑ دو، اچھا بس میں جا رہا ہوں، حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا نہیں، ایسے نہیں چھوڑیں گے بلکہ تم یہ بتلاؤ کس جتن اور کس طرح سے تم انسان کو بہکاتے ہو، یہ جتن بتانا پڑے گا، تب چھوڑیں گے، شیطان بولا جی ٹھیک ٹھیک بتا دوں گا، لیکن چھوڑنا پڑے گا، وعدہ کرو، حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا، ہاں چھوڑ دیں گے، بات بتا صحیح، کہ جی اصل میں ہم جو لوگوں کو بہکانے کا کام کرتے ہیں ایک جتن تو ہمارے پاس حسد ہے، اس کے ذریعہ سے ہم لوگوں کی زندگی برباد کرتے ہیں، اور دوسرا ہمارے پاس جو انجکشن یا جو ذریعہ ہے وہ حرص کا ہے، لالچ کا ہے، ان دو چیزوں سے ہم دنیا کے انسانوں کو تباہ و برباد کرتے ہیں، حضرت نوح علیہ السلام بولے وہ کیسے؟ شیطان نے کہا کہ جی حسد کی وجہ سے تو میں خود پریشان ہوں، میں جنت میں آدم سے حسد کیا تھا، اور اس کو سجدہ نہیں کیا تھا، تو حسد کی بنا پر اللہ تعالی نے پھٹکار لگائی، اور مجھے دنیا میں پھینک دیا، اور آدم نے بھی لالچ کیا، اس کو جس چیز سے منع کیا گیا تھا، میں نے اس کو لالچ میں ڈالا، وہ اس نے کیا تو وہ دنیا میں پھینک دیا گیا، تو یہی دو پوائنٹ میرے پاس ہیں، اسی سے میں پوری دنیا کو تہہ و بالا کر دیتا ہوں، تباہ و برباد کر دیتا ہوں، سارے جھگڑے، ساری لڑائیاں، سارے انہی دو کے ذریعہ سے ہوئے ہیں، چنانچہ ہمیں تجربہ ہے، لڑائی ہوگی، جھگڑا ہوگا تو حسد شامل ہوگا، یا حرص شامل ہوگی، دونوں میں سے کوئی نہ کوئی ایک ضرور ہوگی۔

محمود غزنوی کا خدا ترس خادم:

آپ لوگوں نے سلطان محمود غزنوی کا نام سنا ہوگا، ایک مشہور بادشاہ گزرا ہے، اس کا ایک خادم تھا، یہ سمجھئے ایک وزیر یا اس کا ایک قریبی تھا، اس کا نام ایاز تھا، اس کے آپ نے بہت سے لطیفے سنیں ہوں گے، جس کے بارے میں یہ شعر بھی ہے:

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

اس کا واقعہ ہے کہ وہ روزانہ اپنے کمرہ میں جاتا تھا اور وہ اپنی ایک الماری کھولتا تھا اور اس کو دیکھتا تھا، کسی کو دیکھنے نہیں دیتا تھا، لوگوں کو حسد ہوگیا، ویسے بھی بادشاہ اس کو چاہتا تھا، سمجھدار تھا اور دماغ دار تھا، تو جو وزراء تھے، منسٹر اور قریبی لوگ تھے، سب کو حسد ہوگیا کہ بھائی یہ شاید کچھ مال چراتا ہے اور روزانہ اپنی الماری کھولتا ہے، اور اس میں روزانہ کچھ رکھتا ہے اور کسی کو دیکھنے بھی نہیں دیتا، تو اس کی شکایت کی جانی چاہئے۔

حسد بری چیز ہے:

چنانچہ حسد ہونے کی بنا پر انہوں نے بادشاہ سے شکایت کی کہ بادشاہ سلامت! یہ ایاز اپنی ایک الماری کھولتا ہے، اور کسی کو دیکھنے بھی نہیں دیتا اور تالا لگا کر رکھتا ہے، بادشاہ نے فوراً کہا کہ اچھا بلاؤ اس کو، ایاز کو بلایا گیا اور پوچھا گیا کہ سنا تمہاری الماری میں کچھ سامان

ہے،تم روزانہ کھولتے ہو،اس نے کہا جی ہاں روزانہ دیکھتا ہوں، بادشاہ نے کہا کہ اس کی چابی لاؤ، تو وہ جو حاسد تھے خوش ہو گئے کہ آج تو اس کو مار پڑے گی، اور یہ یہاں سے نکال دیا جائے گا، چنانچہ اس سے چابی لیکر ایک آدمی کو بھیجا کہ دیکھ کے لاؤ اس کی الماری میں جو کچھ سامان ہے، تو وہ لیکر آیا، اس میں تین سامان تھے، ایک ٹوٹا ہوا جوتا، ایک پھٹی ہوئی لنگی اور ایک کرتا تھا، یہ تین چیزیں تھیں، تو بادشاہ نے پوچھا کہ ایاز یہی تین سامان تھے، یا اور بھی کچھ تھا ان میں چھپا ہوا، کہ جی نہیں، تو پھر تجھے کیا مصیبت ہے کہ تو ان کو تالے میں چھپا کے رکھتا ہے، اور کسی کو دیکھنے بھی نہیں دیتا۔

اپنی اصلیت کو ہمیشہ یاد کرنا چاھئے :

ایاز نے کہا کہ بادشاہ سلامت! اصل بات یہ ہے کہ جس وقت میں آپ کے دربار میں آیا تھا، تو اس جوتے، لنگی اور اس کرتے میں آیا تھا، اب اللہ نے آپ کے دربار میں آکر مجھ کو نواز دیا، میرے پاس نعمتیں ہیں، دولت ہے، آپ کا قریب ہوں، آپ کے دسترخوان پر بیٹھتا ہوں، آپ کے پاس بیٹھتا ہوں، مجھے یہاں آکر عزت ملی ہے، تو روزانہ میں اس کو جا کر دیکھ لیتا ہوں، اور سوچتا ہوں کہ میری اصلیت تو یہ تھی کہ اس جوتے، اس لنگی اور اس کرتے میں آیا تھا، ٹھیک ہے اب بادشاہ کے قریب ہو کر منسٹر بن گیا اور وزیر بن گیا، لیکن میری حقیقت یہ ہے، اس لئے میں دیکھتا ہوں، تاکہ میں اپنی اصلیت کو یاد رکھوں، تو انسان اگر اپنی اصلیت کو یاد رکھے تو کبھی دھوکہ نہیں کھائے گا۔

انسان ناپاک قطرہ سے بنا ھواھے:

انسان کیا ہے "خلق الانسا ضعیفا" یہ کمزور پیدا کیا گیا ہے، اور کمزور پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ ایک ناپاک قطرہ سے پیدا کیا گیا ہے، کیسا ناپاک قطرہ، منی کا قطرہ "یخرج من بین الصلب والترائب" ایسی جگہ سے نکلتا ہے کہ اگر کپڑے پر لگ جائے تو ناپاک، اس کو نہ دھوئیں تو نماز نہ ہوگی، اس ناپاک قطرہ سے پیدا ہوا، پھر نو مہینے ماں کے پیٹ میں رہا اور گندہ حیض کا خون اس کی غذا رہا، پھر بڑا ہو گیا، الٹی سیدھی

چیزیں کھاتا رہا، اب دیکھو تو اب بھی پیٹ میں ٹٹی ہے، اب مر جائے گا، مرنے کے بعد قبر کے گڑھے میں جائے گا، یہ ہے حقیقت، اگر ان چیزوں کو آدمی یاد رکھے تو اس کو پتہ چل جائے گا، کہ میں کیا ہوں، کیا کر سکتا ہوں، نہیں کچھ نہیں کر سکتا "خلق الانسان ضعیفا" یہ ہے انسان کی حقیقت، تو ایاز نے اپنی حقیقت کو پہنچاننے کے لئے، اپنی حیثیت کو یاد رکھنے کے لئے، ایسا کیا، اسی لئے انسان کبھی بھی کتنا بھی بڑا ہو جائے، علمی اعتبار سے کتنا بڑا ہو جائے، مال کے اعتبار سے کتنا بڑا ہو جائے، دولت کے اعتبار سے کتنا بڑا ہو جائے، اولاد کے اعتبار سے کتنا بڑا ہو جائے، اگر وہ اپنی حقیقت کو، اپنی اصلیت کو یاد نہیں رکھے گا، تو پھر اس کے اندر تکبر آئے گا، اس کے اندر گھمنڈ آئے گا، اس کے اندر فخر آئے گا، اس کے اندر تباہی مچانے کا مادہ پیدا ہوگا، اور وہ دوسرے انسانوں کو تکلیف پہنچائے گا، اور یہ سوچے گا کہ میں تو ہمیشہ باپ دادا سے ایسے ہی رہا ہوں۔

اللہ نے قارون کو زمین میں دھنسا دیا:

قارون دنیا کا سب سے بدترین انسان تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا آدمی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ بھائی زکوۃ دیدے، کہنے لگا کہ کیسے زکوۃ دیدوں، میرا مال، میرا کمایا ہوا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے اللہ! اس کو زمین میں دھنسا دے "فخسفنا بہ" اللہ کہہ رہا ہے، قرآن میں کہ ہم نے اس کو دھنسا دیا، جب وہ دھسنے لگا تو وہ معافی مانگ رہا ہے کہ اے موسیٰ! معاف کر دے، حضرت موسیٰ نے کہا کہ اے اللہ اور دھنسا سکو، یہاں تک کہ اس کو سینے تک دھنسا دیا، پھر کہا کہ اے موسیٰ مجھ کو معاف کر دے، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے اللہ اس کو اور دھنسا، چنانچہ اس کو گردن تک دھنسا دیا، پھر اس نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اے موسیٰ مجھے معاف کر دے، تو اللہ نے اس کو سر سمیت زمین میں دھنسا دیا، اس کا پورا مال ختم، وہ اتنا خراب انسان تھا، اس نے کیا کیا تھا، وہ اپنی اصلیت کو بھول گیا تھا، وہ تو یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ یہ سب میرا کمایا ہوا مال ہے، میں زکوۃ

نہیں دوں گا، اس لئے اللہ نے اس کو برباد کر دیا اور ایسا برباد کیا کہ اب تک بھی اس کا نام برائی سے لیا جاتا ہے، اب سب اس کی برائی بیان کرتے ہیں کہ کتنا نالائق انسان تھا، آج جتنے بھی دنیا میں کافر ہیں، دنیا میں جتنے مشرک ہیں، ان سب سے بدتر انسان ہوگیا۔

اگر مجھ سے معافی مانگتا تو میں معاف کردیتا:

لیکن اللہ کتنا بڑا رحیم ہے، اللہ نے موسی علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ اے موسی! اگر قارون مجھ سے ایک مرتبہ بھی معافی مانگ لیتا تو میں اس کو معاف کر دیتا، اللہ اتنا بڑا رحیم اور رحمان ہے، کہ اگر ہمارے گناہ سمندر کے برابر بھی ہوں، آسمان کے برابر بھی ہوں، اور زمین اور آسمان سے ہمارے گناہ بھرے ہوئے ہوں، پھر بھی ہمیں اللہ کی ذات سے ناامید نہیں ہونا چاہئے، اس کے سامنے گڑگڑانا چاہئے، اللہ کی ذات سے امید ہے کہ وہ ہمارے سارے گناہ معاف کر دے گا، کیونکہ اللہ تعالی ہر وقت اپنے بندوں کو معاف کرنے کیلئے تیار ہے، کیونکہ جب قارون کے بارے میں اللہ تعالی کہہ رہے ہیں کہ اگر قارون مجھ سے ایک بار بھی معافی مانگتا تو میں معاف کر دیتا اور اس کو زمین میں نہ دھنساتا۔

اپنی حقیقت کو نہ بھولیں:

اصل عرض یہ کرنا ہے کہ ہم اپنی اصل حقیقت کو نہ بھولیں، اپنی حقیقت کو یاد رکھیں، ایاز نے اپنی حقیقت کو یاد رکھا اور اپنی غربت کے سامان کو روزانہ دیکھتا تھا، لیکن حسد کرنے والوں نے کسر نہیں چھوڑی، اس کو پھنسوانے کی کوشش کی، تو یہ دنیا ہے اور شیطان کے یہ دو پھندے ہیں، ایک پھندہ حسد کا ہے اور دوسرا پھندہ حرص کا، اور انہیں کے ذریعہ وہ دنیا کو برباد کرتا ہے۔

لوگوں کا امام ابو حنیفہ سے حسد:

حسد کی دوسری مثال یہ ہے ایک بڑے بزرگ امام ابوحنیفہ سے آپ واقف ہی ہیں، ہم لوگ امام ابوحنیفہ اپنا کو اپنا امام سمجھتے ہیں، امام ابوحنیفہ جب نئے نئے ابھرے اور ان کے علم کا، ان کی فقاہت کا، ان کی بزرگی کا اور ان کی بلندی کا عروج ہوا تو لوگوں کو حسد ہوا، امام اوزاعی بڑے عالم اور بڑے بزرگ گزرے ہیں، انہوں نے حضرت عبداللہ بن مبارک سے ملاقات کی اور ان سے کہا کہ عبداللہ بن مبارک خراسانی یہ امام ابوحنیفہ نام کا آدمی کون ہے؟۔

حسد دو چیزوں سے ہوتاھے:

اصل میں ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ حسد دو وجہوں سے ہوتا ہے، یا تو جان بوجھ کر ہوتا ہے، کیوں؟ یہ میرا رشتہ دار ہے، یہ میرا دوست ہے، میرا جان پہچان والا یہ کیوں ترقی کر گیا، یا انجانے میں ہوتا ہے، اس کو پتہ نہیں ہوتا، دوسرے کسی نے بھڑکا دیا کہ یہ اتنا خراب آدمی ہے کہ اس سے خراب آدمی تو کوئی پورے مظفرآباد میں ہے ہی نہیں، تو اس کو حسد ہو جائے گا، حالانکہ بیچارہ کو پتہ نہیں ہے، ایسے ہی کسی نے بھر دیا، تو حسد یا تو انجانے کی وجہ سے ہوگا یا رشتہ داری کیوجہ سے ہوگا یا تعلق کی وجہ سے ہوگا، یا دوستی کی وجہ سے ہوگا، کسی نہ کسی مناسبت کیوجہ سے ہوگا۔

ایک حسد تو انجانے سے ہوتاھے:

امام ابوحنیفہ کے متعلق امام اوزاعی نے حضرت عبداللہ بن مبارک سے کہا کہ بھئی یہ ابوحنیفہ کون ہے؟ یہ تو بدعتی ہے، بہت خراب معلوم ہوتا ہے، تو انہوں نے جواب نہیں دیا بلکہ ایک کتاب ''کتاب الرہن'' جو امام ابوحنیفہ کی لکھی ہوئی تھی، وہ لا کے دیدی، اس پر نام نعمان لکھا ہوا تھا، چونکہ امام ابوحنیفہ کا اصل نام نعمان ہے، تو پڑھنے کے بعد امام اوزاعی نے کہا دیکھو عبداللہ اگر تم کو علم حاصل کرنا ہے تو نعمان نام کا جو آدمی ہے، اس سے پڑھ لو، اس سے بڑھ کر کوئی قابل آدمی میری نظر میں نہیں ہے، اب موقع تھا، عبداللہ بن مبارک نے کہا کہ حضرت یہی ابوحنیفہ ہے جس کو تم بدعتی اور خراب کہہ رہے تھے، اسی کی تو یہ کتاب ہے اس کا نام نعمان ہے اور اس کی کنیت ابوحنیفہ ہے، تو یہاں حسد انجانے کی وجہ سے ہوا۔

ایک حسد جاننے سے ہوتاھے:

دوسرا حسد جاننے کی وجہ سے ہوتا ہے، اس کی بھی مثال امام ابوحنیفہ سے ہی دیدوں، کیونکہ امام ابوحنیفہ کو اللہ تعالی نے بہت نوازا

تھا، امام اعظم کا لفظ آتا ہے، اعظم انگریزی میں Chief چیف کو کہتے ہیں، جس کے معنی بہت بڑا ہوتا ہے، تو وہ اپنے زمانے کے چیف اور امام تھے، تو دوسرے علماء کو یا اسی طبقہ کے دوسرے لوگوں کو حسد ہوگیا اور انہوں نے پلان بنایا کہ بھائی اس کو پھنسانا چاہئے، آج کل بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ بھائی اس کو تو رگڑنا ہے، آج کی زبان میں کہتے ہیں کہ اس کو رگڑنا ہے، اس کو پھنسانا ہے، تو انہوں نے سوچا کہ انکو کیسے پھنسایا جائے۔

امام ابوحنیفہ کے پھنسانے کا حیلہ:

محلّہ کی ایک عورت کو جو بیوہ تھی، جوان تھی لیکن بیوہ ہوچکی تھی، اس کو کہا کہ دیکھو ہم تم کو بھاری رقم دیں گے، لیکن کام ایسا کرنا ہے، پوائنٹ کھیلنا ہے، اسے پھنسانا ہے، کہا اچھا، بات اس عورت سے ہوگئی، چنانچہ امام ابوحنیفہ ایک مرتبہ اس کے گھر کے سامنے سے گزر رہے تھے، تو اس عورت نے حیلہ سے کہا کہ حضرت ''السلام علیکم'' برقعہ میں آئی، برقعہ میں لپٹ سپٹ کے، کہا کہ میرے خاوند کی زیادہ طبیعت خراب ہے، اور آخری مرحلہ میں ہے، وصیت کرنا چاہتے ہیں، کچھ لکھوانا چاہتے، میں تو اسکی زبان سمجھ نہیں رہی ہوں کہ کیا بول رہا ہے، اب اگر آپ آجاویں تو مجھے بتلادیں یا لکھ دیں کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں، تو وہ خدا کے بندے چلے گئے، اندر داخل ہوگئے، تو اب جو غنڈے اور بدمعاش تھے، یعنی جو مخالفین تھے، اور پہلے گھات میں تھے، وہ فوراً نکل گئے کہ اچھا پتہ چل گیا، رات میں اکیلے اس عورت کے یہاں، چاروں طرف سے ان کو گھیر لیا، اب وہ کیا بولیں گے، بات صحیح ہے، امام صاحب کو معلوم ہی نہیں کہ یہ کس وجہ سے لائی ہے، اس نے تو اس طرح بہانے سے بلایا ہے، تو وہ امام ابوحنیفہ کو اور اس عورت کو پکڑ کر جو وہاں اس وقت پولیس اسٹیشن تھا، لے گئے، کہ جی یہ گڑبڑ حالت میں پکڑے گئے، امام ابوحنیفہ اتنا بڑا مولوی اور اتنا بڑا عالم ہوکر ان کے یہاں آیا ہے، کہ اچھا، تو جو وہاں کا حاکم تھا، اس کو اطلاع دی، تو اس نے کہا کہ ٹھیک ہے، اس وقت تو ان کو حوالات میں بند کردیا جائے، جیل میں ڈال دیا جائے، صبح دیکھا جائے گا، ایک اندھیری کوٹھری کے اندر ان کو بند کردیا گیا۔

عورت تھوڑے سے پیسے کے چکر میں آگئی:

امام ابوحنیفہ باوضو تھے، چنانچہ نیت باندھ کر کھڑے ہوگئے، نماز پڑھنی شروع کردی، کافی دیر تک نماز پڑھتے رہے، کیونکہ ان کے ذہن میں تو تھا ہی نہیں کہ لوگ اس طرح کی بھی خرافات کرسکتے ہیں، نماز پڑھتے رہے، جب سلام پھیرا، تو اس عورت کو احساس ہوا کہ اوہو، یہ تو ان کے بارے میں تجھ کو ان لوگوں نے بہکادیا، تھوڑے سے پیسے کے چکر میں لالچ میں آگئی، اس میں لالچ بھی ہے، دیکھو کس وجہ سے پھنسایا، لالچ، حرص پیسے کی وجہ سے، اور ان لوگوں نے کروایا کس وجہ سے حسد کی وجہ سے کہ اس کو ڈبونا ہے، اس کی مٹی پلید کرانی ہے، چنانچہ وہ شرمندہ ہوئی اور کہنے لگی کہ حضرت مجھے معاف کردیں، مجھ سے غلطی ہوگئی، لوگوں نے مجھے رقم کا لالچ دیا ہے، کہ تمہیں اتنے پیسے دیں گے، تم ایسا ایسا کرلو، میں معافی چاہتی ہوں، مجھے معاف کردو۔

تم جاؤ اور میری بیوی کو بھیج دو:

امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں معاف کردیا؛ لیکن تم ایک کام کرو، جیل کا جو حولدار ہے، جیل کے باہر جو ذمہ دار رہتا ہے، تو اس سے جاکر منت وسماجت کر اور اس سے اجازت لے کر یہ کہہ، کہ بھائی میرے گھر میں کوئی ضروری کام رہ گیا ہے، تم میرے ساتھ چلو اور پھر مجھ کو یہیں لاکر چھوڑ دینا، میں اپنے گھر کا کام نمٹادوں گی، اور کرنا یہ ہے کہ اس برقعہ کو میری بیوی کو جاکے دیدینا، وہ اس میں لپٹ کر یہاں آجائے گی، سمجھا دیا ان کو، کہ ٹھیک ہے میں نے تم کو معاف کردیا، کوئی مسئلہ نہیں ہے، چنانچہ اس نے اس حولدار کے سامنے رونا دھونا کیا، تو اس نے کہا کہ چلو اچھا ٹھیک ہے، کتنی دیر میں آجاؤ گی، کہ بس زیادہ سے زیادہ پندرہ بیس منٹ میں، ضروری کام ہے، اگر ساتھ میں چلنا ہے تو میرے ساتھ چل، اب یہ امام ابوحنیفہ کے گھر گئی، امام صاحب کی بیوی کو سارا واقعہ بتلادیا کہ میں نے تمہارے شوہر کو پھنسانے کے چکر میں ایسا ایسا کیا تھا، معاملہ ایسا ہوگیا، اب تو تم میرا یہ برقعہ لے جاؤ

اوراس کواوڑھ کرتم جیل میں چلی جاؤ کہ اچھا ٹھیک ہے، وہ چلی گئی۔

قاضی کے یہاں حاضری:

ان دونوں نے آرام سے رات گزاری، اب جو حاسدین تھے، وہ سوچ رہے تھے کہ آج تو مزہ آجائے گا، بڑا ملاجی بن رہا تھا، اس کی بڑی شہرت ہے، اس کی بڑی بزرگی ہے، اب جب صبح ہوئی، نو دس بجے وہ قاضی کے یہاں، حاکم کے یہاں حاضر ہوئے، تو امام ابوحنیفہ کو مخاطب کر کے حاکم نے کہا کہ ابوحنیفہ تم اتنے بڑے عالم ہو، تمہارا شہرہ ہے پورے علاقہ میں، اور تم ایسی حرکت کرتے ہو، کسی غیر محرم کے گھر رات میں گھستے ہو، اور آپ غیر محرم کے ساتھ ایسی حالت میں پکڑے گئے ہیں، امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ نہیں ایسی بات تو نہیں ہے، میں غیر محرم کے ساتھ تو نہیں ہوں۔

یہ میری بیٹی ہے:

حاکم نے پوچھا یہ عورت کون ہے؟ امام صاحب نے فرمایا، وہ فلاں آدمی ہے، ان سے معلوم کرو، یعنی اپنے سسر کی جانب اشارہ کر کے کہا، چونکہ سب آدمی تماشہ دیکھنے آئے تھے، اب وہ سسر تو اس لئے آگئے تھے کہ بھائی آج داماد کا کیا ہوگا کیونکہ وہ پھنس گیا، اب انہوں نے کہا کہ ان کو بلاؤ جو بڑے میاں جی ہیں، ان کو دکھاؤ کون ہے، جب انہوں نے دیکھا تو انہوں نے کہا کہ یہ تو میری بیٹی ہے، اور میں نے تو اس کا نکاح امام صاحب سے اتنے دن ہوگئے کیا ہے، یہ میری بیٹی ہے، اب چاروں طرف مجمع تھا، سب دیکھ رہے ہیں، سسر کہہ رہے ہیں کہ یہ میری بیٹی ہے، اور میں نے امام صاحب سے ان کا نکاح کر رکھا ہے، تو یہ کوئی غیر محرم نہیں ہیں، تو اللہ تبارک وتعالی نے ان کی مدد تو ایسے کی، اب جتنے حاسدین تھے، سب شرمندہ ہوئے، دنیا میں تو ذلیل ہوئے ہی، اللہ تبارک وتعالی ان کو آخرت میں بھی ذلیل کرے گا، دنیا میں تو وہ ذلیل ہوگئے اپنی کارستانی کر کے؛ لیکن اللہ جس کو بچائے، اس کو کون پھنسا سکتا ہے، کوئی نہیں پھنسا سکتا، تو یہ حالات ہیں حسد کے اور لالچ کے۔

یھودیوں کا مسلمان سے حسد:

ایک بزرگ ہیں مولانا پیر ذوالفقار نقشبندی ان کا بڑا شہرہ ہے، انہوں نے ابھی کا ایک واقعہ لکھا ہے، کہ میں فرانس گیا، فرانس میں مجھے ایک دوست ملے، وہ کہنے لگے کہ ایک حسد کی بات بتلاؤں کہ لوگ کیسے کیسے حسد کرتے ہیں، وہ فرانس گئے ان کو ایک دوست ملے، وہ کہنے لگے کہ میں ایک پروفیسر کے یہاں کام کرتا تھا، رمضان کا مہینہ آگیا، میں نے کہا کہ مجھے چھٹی دیدی جائے، کیونکہ مجھے یہاں رمضان کے روزے رکھنے ہیں، اور جہاں مسلمان رہتے ہیں وہاں سے آنے میں پریشانی ہوگی، رمضان کی چھٹی دیدو، تاکہ میں تراویح اور روزے آرام سے رکھ سکوں، انہوں نے کہا کہ نہیں، جانے کی ضرورت ہی نہیں، چھٹی کیوں لے رہے رہو، اگر تمہارا انتظام یہیں ہوجائے، کہنے لگے کہ بہت اچھی بات ہے، یونیورسٹی کالج سے بڑی ہوتی ہے، جس میں بڑی بڑی ڈگریاں لی جاتی ہیں، تو اس کے فلاں شعبہ میں لے گئے کہ دیکھو یہاں، اب وہاں نوجوان لوگ لمبی لمبی داڑھیوں والے ہیں، اور عمامے باندھ رکھے ہیں، اور وہ سب روزے رکھ رہے ہیں، کہا کہ تم یہاں رہو، چنانچہ پورا رمضان انہوں نے ان کے پاس گزارا، وہ قرآن شریف بھی روزانہ پڑھتے تھے، تراویح بھی پڑھتے تھے، اور روزے بھی رکھتے تھے، افطار بھی کرتے تھے، اعتکاف میں بھی بیٹھتے تھے، تو وہ عید کے بعد عید کر کے وہاں آئے اور اپنے پروفیسر کا شکریہ ادا کیا کہ جی آپ نے میرے ساتھ بڑا احسان کیا، میں کہاں جاتا، میرا یہیں کام ہوگیا، تو وہ ہنس کے بولے کہ ارے باؤلے، یہ مسلمان نہیں بلکہ یہ سب یہودی ہیں، کہ اصل یہاں کی حکومت نے ایک پروجیکٹ ایسا تیار کیا ہے کہ اس میں جو یہودی لوگ ہیں، وہ یہ تحقیق کر رہے ہیں کہ رمضان میں یہ مسلمان جو قرآن پڑھتے ہیں یا مسلمانوں کی جو چیزیں ہیں ان کو کر کے دیکھو، اگر ان کی سب باتیں اچھی لگیں تو اختیار کرلیں گے، قبول کرلیں گے، اور اگر اس میں کمیاں ہوں گی تو پروپیگنڈہ کریں گے، اور تباہی مچائیں گے، تو وہ سارے یہودی تھے، مسلمان ان میں کوئی نہیں تھا،

داڑھیاں اتنی لمبی لمبی، پگڑ باندھے ہوئے، نماز بھی پڑھ رہے ہیں، قرآن کی تلاوت بھی کررہے ہیں، روزے بھی رکھ رہے ہیں، یہ ہے حسد یہودیوں کا۔

یہودونصاری ہمارے دوست نہیں ہوسکتے:

اور یہودونصاری کے متعلق اللہ تعالی نے قرآن کریم میں فرمایا: ”ولن ترضی عنك اليهود ولاالنصارى حتى تتبع ملتهم“ کہ یہوداورنصاری تمہارے دوست ہوہی نہیں سکتے، وہ تم سے کسی بھی طرح راضی نہیں ہوسکتے، یہاں تک کہ تم ان کے نقش قدم پر نہ چلنے لگو، نقش قدم پر بھی چلو گے، تو تمہاری جان لے کر ہی رہیں گے، ایسی ایسی وہ لوگ حرکتیں کرتے ہیں۔

ایک کمبخت یہودی:

ایک اور واقعہ لکھا ہے کہ ”رشیا“ ایک جگہ ہے کہ میں وہاں پر گیا، میرے ساتھ کچھ دوست تھے، ایک آدمی اچھے لباس میں آیا، ایسے ہی داڑھی میں، اور وہ اپنی زبان میں ان سے کچھ بات کرنے لگا، بات کرکے جب چلا گیا تو میں نے ان سے پوچھا کہ یہ کیا کہہ رہا تھا، میرے دوستوں نے بتلایا کہ یہ یہاں کا رشین آدمی تھا، اور یہ پوچھ رہا تھا کہ یہ کون آدمی ہیں، یہ کون بزرگ ہیں تمہارے ساتھ، ہم نے بتلایا کہ یہ ہمارے بڑے پیر ہیں، اللہ والے ہیں، پاکستان سے آئے ہیں، بزرگ ہیں، تو اس نے ہم سے کہا کہ بھائی دیکھو تم بھی رشین ہو اور میں بھی رشین ہوں، اس آدمی کو دھوکہ دیدو، اور اسے ادھر ادھر ٹرخادو، اور جو اس کے پیسے ہیں وہ سب ادھر ادھر خرچ کرادو، تو یہ خود بھاگ جائے گا، یہاں یہ دین کی، اسلام کی بات پھیلائے گا، تو بھائی بچے رہ جائیں گے، وہ اسی لباس میں تھا، داڑھی میں اور کرتے پائجامہ میں، یہودی تھا کمبخت۔

حسد دونوں اعتبار سے ہوتاھے:

حسد دینی اعتبار سے بھی کیا جاتا ہے اور دنیاوی اعتبار سے بھی، آپ کی کھیتی اگراچھی ہوگئی تو پڑوس والا یہ کہے گا کہ بھائی اس کی کھیتی تو بہت لہلہارہی ہے، یار یہ تو کیا غضب ہے؟ اس کے پاس پیسے بھی ہیں، اس کا کاروبار بھی ہے، وہ پریشان ہوگا، اللہ تعالی دولت اس کو دے رہا ہے، پریشان وہ ہورہا ہے، اس کے پیڑ بھی ہوگئے ہیں، اس کا مکان بھی بن گیا ہے، اس کے بچے بھی خوب سارے ہیں، دینے والا کون ہے؟ قاسم کون ہے؟ قاسم اللہ تعالی ہے، اللہ اس کو دے رہا ہے، تو تمہیں کیوں پریشانی ہورہی ہے؟۔

حسد لالچ اور حرص سے بھی ہوتاھے:

ایسے ہی حرص میں بھی آدمی کرتا ہے، کہ حرص میں انسان ننانوے کو سو بنانے کی فکر میں رہتا ہے، دوسرا مرض جس سے شیطان انسان کو پھندے میں پھنساتا ہے، وہ حرص ہے، حرص میں دوسروں کی نعمتوں کو دیکھتا ہے، تو لالچ کرتا ہے، اور جب لالچ کرتا ہے تو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، جب حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے پھر وہ یہ نہیں دیکھتا کہ اس کو جائز طریقہ سے حاصل کیا جائے یا ناجائز طریقہ سے، کوشش کرے گا کہ کسی نہ کسی جگاڑ سے یہ چیز حاصل ہوجاوے۔

انسان کا پیٹ نہیں بھرتا:

اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث کے اندر فرمایا، اصل میں انسان کی طبیعت میں چونکہ لالچ اتنا ہے کہ اگر اللہ نے اس کو دس بیگہ زمین دیدی تو وہ پندرہ کی فکر کرتا ہے، پندرہ دیدی تو بیس کی فکر کرتا ہے، ایک مکان بن گیا تو دوسرے مکان کی فکر، تین مکان بن گئے تو چار مکان کی فکر، ایک گاڑی تو دو گاڑی کی فکر، دو بیل تو چار بیل کی فکر، یہ طبیعت ہے ہرانسان کی، وہ بڑھتی ہی رہتی ہے، حالانکہ داڑھی بھی سفید ہوگئی بھنویں بھی سفید ہوگئیں، قبر میں پیر لٹک رہے ہیں؛ لیکن پھر بھی کیا کہہ رہا ہے، کہ میرے اس پوتے کا، میرے اس نواسے کا ایک گھر یا ایک مکان بن جائے، اور ایک گاڑی اس کے لئے ہوجائے، اور وہ زمین جو وہاں بک رہی ہے، وہ بھی لے لی جاوے، تو اس کی طبیعت میں ایسا ایسا ہورہا ہے، اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”ولن يملاء فاه الاالتراب“ کہ قبر کے گڑھے کی جو مٹی ہے وہ ہی

اس کے منہ کو بھرے گی، ورنہ اس سے پہلے انسان کوئی بھی ہو، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرمار ہے ہیں کہ کوئی بھی ہو اس کی طبیعت میں لالچ ہے، حرص ہے۔

حسد اور بغض نہ کرو:

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"ولاتحاسدوا ولاتباغضوا وكونوا عباداللّٰه اخوانا" تم آپس میں حسد مت کرو اور ایک دوسرے سے بغض مت کرو، اور اللہ کے بندو بھائی بھائی بن کر رہو، اور ایک دوسرے کو دیکھ کر جلو بھنو نہیں، اس لئے کہ جلنے بھننے سے نقصان ہوتا ہے، مطلب یہ ہے کہ دینے والی تو خدا کی ذات ہے، اللہ جس کو چاہتا ہے اس کو دیتا ہے، اب تم کون ہو کہ کسی کے مال کو دیکھ کر حسد کرنے لگو، یا کسی کے مال کو دیکھ کر جلنے لگو، یہ غلط ہے، کیونکہ یہ مال اور جائیداد خدائی دین ہے، اور تم کسی کا مال دیکھ کر حسد کروگے تو اللہ ناراض ہوگا۔

اللہ کے فیصلے پر راضی رہو:

اگر تم اللہ کے فیصلے پر راضی نہیں ہو تو تم اللہ کی زمین چھوڑ کر کہیں اور چلے جاؤ، جب اللہ اس کے ساتھ میں ناانصافی کررہا ہے، اور وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ اللہ نے مجھے نہیں دیا، اس کو دیدیا، تو اللہ کی دھرتی چھوڑ کر کہیں اور چلا جائے، جہاں انصاف ملتا ہو، اللہ تبارک وتعالی ناانصافی نہیں کرتا بلکہ اللہ تبارک وتعالی تو انصاف کرتا ہے، اللہ تبارک وتعالی تو عادل ہے، اللہ سے بڑھ کر کوئی عادل ہوسکتا ہے؟ اللہ سے بڑھ کر کوئی صادق ہوسکتا ہے؟ اللہ سے بڑھ کر کوئی منصف نہیں ہوسکتا۔

سب کچھ اللہ ہی دینے والاہے:

اللہ نے جس کو جو دیا ہے، اس کو اللہ ہی جانتا ہے:"ويرزقه من حيث لايحتسب" کس کو کہاں سے دیتا ہے، اس کو اللہ ہی جانتا ہے، اس کو گمان بھی نہیں ہوتا، جس کو دیتا ہے بغیر حساب کے دیتا ہے، اور وہ مرضی ہے اس کی"يهب لمن يشاء اناثا ويهب لمن يشاء الذكور" یہ بھی اس کی مرضی ہے کسی کو لڑکے دیتا ہے، کسی کو لڑکیاں ہی دیتا ہے، کسی کو جائیداد دیتا ہے، سب اس کے کرشمے ہیں، اس کی مرضی ہے"انه عليم بذات الصدور"دلوں کے بھید کو وہ جاننے والا ہے، وہ خبیر بھی ہے، بصیر بھی ہے، اللہ جانتا ہے کہ کتنی چیز کہاں رکھنی ہے۔

انسان اگر اس چیز پر راضی ہوجاوے کہ سب فیصلے اللہ کی طرف سے ہیں، تو وہ آرام سے سوئے گا، اگر وہ یہ سمجھ لے کہ سارے فیصلے اللہ کی طرف سے ہیں، کبھی بھی پریشان نہیں ہوئے گا، کہ اللہ نے میرے لئے دال لکھی ہے، تو مرغ کیسے کھاسکتا ہوں، اللہ نے میرے لئے مرغ لکھا ہے تو بکرا کیسے کھاسکتا ہوں، اگر اس کو اطمینان ہے اللہ کے فیصلے پر تو کبھی بھی پریشان نہیں ہوگا، وہ چھپر میں زندگی گزار کر اور کچے مکان میں زندگی گزار کر، سوکھی روٹی کھا کر بھی اللہ کے دئے ہوئے پر شکر یہ ادا کرے گا، ماشاء اللہ اللہ کا احسان ہے، اللہ نے خوب دیا ہے، اور جو ناشکرا ہوگا، اس پر سب کچھ ہونے کے باوجود بھی وہ حرص میں طمع میں، لالچ میں دوسرں کی نعمتوں کو دیکھ کر جلتا رہے گا، اور حسد میں پھکتا رہے گا، اور مزید لالچ کی خواہش میں پریشان رہے گا، اس لئے اللہ کے فیصلہ پر راضی رہنا چاہئے۔

حسد اور حرص بہت خراب بیماریاں ہیں:

حسد اور حرص انتہائی خراب بیماریاں ہیں، اگر یہ دونوں بیماریاں ختم ہوجائیں تو دنیا کے سارے جھگڑے ختم ہوجائیں گے، گھروں میں کس لئے جھگڑے ہوتے ہیں، حسد سے، یا حرص سے، اس نے یہ لے لیا، اس نے وہ لے لیا، اس نے یہ نہیں کیا، اس نے وہ نہیں کیا، دو ہی باتیں ہیں، غور کرلو زندگی کے جتنے میدان ہیں، جھگڑا جو ہوگا، دو ہی باتوں سے ہوگا، حسد سے یا حرص سے، بس اگر یہ دونوں ختم ہوجائیں تو سارے جھگڑے ختم ہوجائیں گے، اللہ تعالی ہمیں حسد سے اور حرص سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے، اللہ تبارک وتعالی اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

یادرفتگاں

مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

چند مشاہیر علماء کی نظر میں

حمید اللہ قاسمی کبیر نگری

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی سابق استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی شخصیت ایک چلتی پھرتی اور نمایاں شخصیت تھی، ان کی زندگی کے حالات اور ان کے کارنامے کھلے ہوئے اوراق کی طرح روشن ہیں، ہم جب چاہیں ان کو پڑھ کر روشنی حاصل کر سکتے ہیں، ہم جب چاہیں ان کی زندگی کی ورق گردانی کر سکتے ہیں، مگر حضرت مولانا عبداللہ حسنی ندوی کے چلے جانے سے غم کا ایک لامتناہی سلسلہ بندھ گیا ہے، جو ختم نہیں ہو رہا ہے، چونکہ مولانا مرحوم کے اندر بہت خوبیاں تھیں، ان سے دعوت وتبلیغ کا ایک بڑا کام جڑا ہوا تھا، جس سے ہزاروں لوگ سیراب ہوتے تھے، مولانا کے چلے جانے سے ان کے تلامذہ اور متنسبین حضرات بے چین اور بیقرار نظر آرہے ہیں، مولانا تو سب کو چھوڑ کر خوشی خوشی راہ وفا سے گزر گئے، اب ہمیں ان کے کام کو سینے سے لگانے، ان کے نقش قدم کا اتباع کرنے، ان کے مشن کو آگے بڑھانے اور انہی کے خطوط پر کام کرنے کی ضرورت ہے جو مولانا چھوڑ کر چلے گئے ہیں:

کیا لوگ تھے جو راہ وفا سے گزر گئے
جی چاہتا ہے نقش قدم چومتے چلیں

مولانا مرحوم کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ جہاں چاہا وہیں رک کر لوگوں کو دین کی باتیں بتانے لگے، جہاں دیکھا کہ امت غلط راستے پر ہے، وہیں ٹھہر کر امت کو سمجھانے لگے، جہاں دیکھا لوگ بکھرے ہوئے ہیں، وہیں تھوڑی سی سانس لیکر لوگوں کو ایک کرنے لگے، جہاں دیکھا کہ لوگ تعلیم سے نا آشنا ہیں، وہیں اپنے لشکر میں سے کسی ایک کو بھیج کر وہاں کے ناخواندہ حضرات کے لئے ایک چشمہ بہا دیا، الغرض مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ صاحب اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، انہوں نے جب چاہا، جہاں کہیں چاہا، اپنی انجمن کو قائم کر دیا، کیونکہ مولانا مرحوم اپنے اردگرد ایسے آفتاب وماہتاب جمع کرتے تھے جو کہکشاؤں کا ایک نورانی، علمی اور فکری جھرمٹ ہوا کرتا تھا، مگر اس بے ثباتئ دنیا سے کیا گلہ:

کارواں سے کیسے کیسے لوگ رخصت ہو گئے
کچھ فرشتے چل رہے تھے جیسے انسانوں کے ساتھ

مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی کے سلسلہ میں چند مشاہیر علماء کی دلی کیفیات کا اظہار مندرجہ ذیل سطور میں کیا جا رہا ہے:

ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ناظم اور مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر عالی وقار حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی کے متعلق رقمطراز ہیں: ''عزیزی مولوی سید عبداللہ حسنی مرحوم اپنی نوعمری میں جن مراحل سے گزرے تھے، ان کے اثر سے ان میں عمل کی قوت اور احساس ذمہ داری آئی تھی، خاص طور پر جب ان کے والد ماجد محمد الحسنی کا سانحہ وفات پیش آیا، اس وقت ان کی عمر ۲۲ر سال تھی، اور ان کے دونوں بھائی ان سے چھوٹے اور ابتدائی تعلیم میں تھے، ان کے لئے فکرمندی اور صحیح راہ پر قائم رکھنے کی ذمہ داری بھی ان پر آپڑی تھی، اس ذمہ داری کو انہوں نے بہت اچھے طریقہ سے نبھایا، یہ ایک اہم خدمت تھی کہ انہوں نے صرف اپنے ہی کو بنانے کی کوشش نہیں کی بلکہ اپنے چھوٹے بھائیوں کو بھی صاحب علم اور اسلامی فکر ودعوت کا حامل بنانے کی طرف توجہ رکھی جو کہ ماشاء اللہ مولوی سید عمار عبدالعلی حسنی ندوی اور مولوی سید بلال عبدالحئ حسنی ندوی میں لوگ دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں، وہ دونوں دین کے صحیح راستے پر گامزن ہیں اور

مولوی سید بلال عبدالحئ حسنی ندوی جو تیسرے نمبر پر ہیں وہ دعوت اور تعلیم وتربیت کا بہت قابل قدر کام انجام دے رہے ہیں، اور اب مولوی عبداللہ حسنی مرحوم کے وہ قائم مقام ہیں اور وہ اس کے اہل ہیں۔

مولانا کا امتیاز ان کی صرف دعوتی کوشش ہی کا نہیں ہے بلکہ علمی وادبی لحاظ سے بھی وہ بڑا امتیاز رکھتے تھے، عربی تحریر اور مضمون نگاری میں ان کے دادا کے بھائی اور ان کے سرپرست حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کو بین الاقوامی سطح پر جو امتیاز حاصل تھا، اور ان کے بھتیجے سید محمد الحسنی نے اس کو اپنا لیا تھا اور بہت مؤثر مضمون اور تحریریں عربی واردو میں لکھنے لگے تھے، اس کا اثر بھی مولوی عبداللہ حسنی کے قلم میں آیا تھا، جو عربی پندرہ روزہ اخبار ''الرائد'' کے ان کے اداریوں میں محسوس کیا جاتا تھا، اس کے علاوہ دارالعلوم میں ان کو استاد کا منصب حاصل ہوا، اور اس میں ۳۵/سال خدمات انجام دیں، حدیث کی متعدد کتابیں زیادہ تر ان کے زیر تدریس رہیں اور اس میں سنن ترمذی اور صحیح بخاری کے بعض ابواب کی تدریس کا انہیں زیادہ موقع ملا، عالمیت کے آخری سال میں تفسیر قرآن کریم کا درس بھی ان کے ذمہ ہوگیا تھا، اور ادھر دو تین سال سے حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی اسرار شریعت پر معرکہ آراء تصنیف ''حجۃ اللہ البالغۃ'' کا درس دینے کا موقع ملا، اور طلبہ کو ان سے بڑا نفع پہنچ رہا تھا، خود انہوں نے بھی بڑا نفع محسوس کیا، علوم شریعت سے اشتغال کا اثر اخلاق واعمال میں، احکام شریعت پر عمل ان میں سنت نبوی کی پیروی اور صلاح وتقوی کے طور پر آیا''۔

برصغیر ہندوپاک کے ممتاز عالم دین حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی زید مجدہ مولانا عبداللہ حسنی ندوی کے انتقال پر اپنے تعزیتی خط میں ماضی کی یادوں سے متعلق بیان فرماتے ہیں کہ ''مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی سے ایک یادگار ملاقات کی سعادت فقیر کو دیار حرم میں نصیب ہوئی، مرحوم نے جس محبت والفت ومسرت وگرم جوشی کا اظہار اس فقیر سے کیا، اس کی مٹھاس آج بھی دل میں موجود ہے، یہ الفاظ صفحہ قرطاس پر بکھیرتے ہوئے مرحوم کا مسکراتا ہوا منور چہرہ آنکھوں کو پرنم اور دل کو پرغم کر رہا ہے''۔

جامعۃ العین ابوظبی کے استاد حدیث مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری مولانا عبداللہ حسنی ندوی کے استغناء وتوکل کے بارے رقمطراز ہیں کہ ''ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حاکم شارقہ شیخ سلطان بن محمد القاسمی نے دو ایسے علماء کو طلب کیا جو شارقہ کی ٹی وی سے اردو میں خطاب کرسکیں، اس ناچیز نے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے ذریعہ مولانا سلمان ندوی ومولانا عبداللہ مرحوم کو متعین کیا، دونوں شارقہ آئے، پروگرام ختم ہونے پر ان کے لئے ایک رقم پیش کی گئی، جس کو دونوں نے لینے سے انکار کردیا، اس استغناء کا ان لوگوں پر بہت اچھا اثر پڑا، جب مجھے معلوم ہوا تو میں نے شیخ کے قریبی عزیز شیخ سالم بن محمد القاسمی جو مجھ سے بے حد محبت رکھتے ہیں، ان کو فون کیا کہ میں حاجت مند ہوں، مجھ کو وہ رقم بھجوایئے، چنانچہ وہ رقم میرے پاس آئی اور ان دونوں کو زبردستی حوالہ کیا اور کہا کہ ابھی تم دونوں ''حضرت'' نہیں ہوئے ہو، اس لئے اس رقم کو رکھو''۔

جمعیۃ علماء ہند کے جنرل سکریٹری حضرت مولانا عبدالعلیم فاروقی حضرت مولانا عبداللہ حسنی ندوی سے اپنائیت کا اظہار کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ''مولانا عبداللہ حسنی مرحوم میری اہلیہ کی حقیقی چچازاد بہن کے صاحبزادے تھے، اور ان کے والد ماجد حضرت مولانا سید محمد الحسنی ندوی بھی میری اہلیہ کے رشتہ میں ماموں زاد بھائی تھے، اس لئے ہمارے یہاں ان کا بے تکلف آنا جانا تھا، ان میں مطالعہ کا شوق، علمی وادبی ذوق، دینی ترقی کی فکر اور دعوتی جذبہ شروع سے تھا اور کم عمری سے ہی صالحیت اور رشد وہدایت سے آراستہ تھے، اور شروع سے ہی نماز باجماعت کے پابند تھے اور اپنے بڑوں سے خوش خلقی کے ساتھ پیش آنا ان کا مزاج وطبیعت تھی''۔

دارالعلوم دیوبند کے استاد ادب اور ماہنامہ ''الداعی'' کے چیف ایڈیٹر مولانا نور عالم خلیل امینی مولانا عبداللہ حسنی ندوی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''مولانا عبداللہ حسنی ندوی ۲۹/جنوری ۱۹۵۷ء کو لکھنؤ کے

مشہور ''امین آباد'' محلے میں پیدا ہوئے، جہاں برسوں سے اُن کے خاندان کے بہت سے افراد بالخصوص ان کے والدین رہتے تھے، ابتدائی تعلیم اپنے خاندان میں حاصل کی، پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے، جہاں سارے تعلیمی مراحل اپنے چھوٹے دادا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی سرپرستی میں طے کئے، شروع سے ہی والدین اور حضرت مولانا کی بے پناہ شفقت اور خصوصی توجہ ان پر مرکوز رہی، کیونکہ وہ حضرت مولانا کے اکلوتے بھتیجے کی پہلی نرینہ اولاد تھے، حضرت مولانا لاولد تھے، اس لئے انہوں نے اپنے بھائی بہن کی اولاد کو ہی اپنی اولاد کی شفقت و محبت عنایت فرمائی، مولانا سید عبداللہ نے حضرت مولانا (علی میاں ندویؒ) ہی سے اپنے والد ہی کی طرح دین کا درد، دعوت و تبلیغ کا جذبہ، انسانیت کی چارہ گری اور بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے حرم لے آنے کی تدبیر سازی کا ہنر اخذ کیا اور کچھ ان کی طرف خاندانی طور پر بھی ان سے منتقل ہوا، انہوں نے حضرت مولانا سے ہی ذوق عبادت و شوق انابت بھی پایا، انہی سے بیعت ہوئے اور انہیں سے اجازت و خلافت ملی''۔

آکسفورڈ یونیورسٹی انگلینڈ کے اسلامک سینٹر کے ذمہ دار مولانا ڈاکٹر محمد اکرم ندوی آپ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ''مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی مرحوم ایسے چمن کے نونہال اور ایسے نونہال کے ثمر تھے جو شرافت اور علو مرتبہ از روئے نسب تھا، علم وفضل اور تصوف و معرفت آپ کے خانوادہ میں بطناً بعد بطنٍ اور صلباً بعد صلبٍ اس طرح منتقل ہوتی رہی جیسی سلطنت سلاطین تیموریہ کے خاندان میں یا خلافت بنی عباس و آل عثمان میں، تعلیم و تربیت اعلی پیمانہ پر ہوئی تھی، گھر کی تربیت اور ندوہ کی تعلیم نے آپ کی شخصیت سازی میں زبردست کردار ادا کیا، طبیعت شروع سے نرم تھی، صلاح و تقوی اور تصوف و طریقت سے فطری مناسبت تھی، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے، تعلیم و تزکیہ پر توجہ کی، اوراد و اشغال کی پابندی کی، حضرت مولانا محمد احمد پرتاب گڑھی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا قاری صدیق احمد باندوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا ابرارالحق رحمۃ اللہ علیہ، استاد محترم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم، استاد محترم حضرت مولانا سید محمد واضح رشید ندوی مدظلہ العالی اور دوسرے بزرگوں سے بھی خصوصی تعلق تھا، علوم ظاہری و باطنی دونوں کی تکمیل کی فکر میں رہتے، جواں عمری ہی میں نسبت باطنی مستحکم ہوگئی، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے منصب خلافت سے سرفراز ہوئے اور رشد و ہدایت کی شمع روشن کی، غرض شرافت موروثی، صفات ذاتی اور کمالات ظاہری و باطنی نے ہم عصروں میں آپ کو کافی ممتاز کر دیا تھا''۔

جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ کے ناظم جناب مولانا قاری سید حبیب احمد صاحب باندوی رقمطراز ہیں: ''مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی کا تعلق ایک ایسے گھرانے سے تھا جس نے بلا انقطاع صدیوں تک ہندوستان میں علم دین، تبلیغ اسلام اور اصلاح و تزکیہ کا کام انجام دیا، مولانا کی ذات میں اللہ نے تمام نسبی صفات کو جمع کر دیا تھا، مولانا اپنے اسلاف خاندان کی زندہ تصویر، ان کی کوششوں کی تفسیر اور ان کے خوابوں کی تعبیر تھے، قلیل مدت میں اللہ نے ان سے بڑے بڑے کام لئے''۔

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ ''مولانا کی وفات سے امت کے ہر طبقہ کو بڑا نقصان پہنچا، مدارس دینیہ کے خادمین کو مولانا سے ہمیشہ تعلیمی و تربیتی امور میں مفید مشورے ملتے رہتے تھے، احقر نے اس سلسلہ میں ایک سے زائد مرتبہ مولانا سے مشورہ کیا، مولانا کی عیادت کے دوران ان کی قیام گاہ پر ایک معاملہ میں مشورہ کیا جس کے بڑے مفید نتائج ثابت ہوئے، بالخصوص تبلیغ و دعوت اور اشاعت دین کا کام کرنے والوں کو ان کے مشوروں، ملفوظات اور خود ان کے ایمان و یقین، اولوالعزمی و جفاکشی، صبر و ثبات اور روحانی سوز و گداز سے فیض پہنچا تھا، ان کی کوششوں سے جہاں علم دین کے خادمین کی ایک مخلص جماعت تیار ہوئی وہیں دعوت و تبلیغ کے میدان کو مخلص میدان کار ملے''۔

ماہنامہ ''زندگی نو'' دہلی کے مدیر معاون ڈاکٹر تابش مہدی مولانا عبداللہ حسنی کے بارے میں رقمطراز ہیں: ''مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی

کواللہ کی بزرگی اور عظمت ورفعت کا ہمیشہ احساس رہتا تھا، وہ اپنے تقوی وطہارت اور استغناء وتوکل کی وجہ سے خوردوں وبزرگوں دونوں میں مقبول ومحبوب تھے، وہ اپنے کمال علم وفضل کے باوجود نہایت متواضع اور منکسر المزاج تھے، یہ تواضع اور منکسر المزاجی ان کی چال ڈھال اور اٹھنے بیٹھنے میں بھی ملتی تھی اور لباس اور بات چیت میں بھی، وہ ہر قسم کی ظاہری نمود ونمائش سے گریزاں تھے، خاکساری، فروتنی اور سادگی کو ان کی زندگی میں بڑی اہمیت حاصل تھی، لیکن ان سب کے باوجود اللہ تعالی نے ان کی شخصیت میں غیر معمولی کشش اور محبوبیت رکھی تھی، ان کے پاس ملنے کیلئے علماء وفضلاء بھی آتے تھے، اور تلامذہ اور دور کے وابستگان بھی اور غیر مسلم حضرات بھی، سب سے وہ نہایت سادگی اور خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے تھے، اوران کی باتیں سنتے تھے، غیر مسلموں سے انہیں خاص دلچسپی تھی، متعدد پنڈتوں اور آچاریوں سے بھی ان کے روابط تھے، وہ ان تک دعوت حق پہنچانے کیلئے بے چین اور مضطرب رہتے تھے، لیکن اس بے چینی اور اضطراب پر کبھی انہوں نے بے حکمتی اور بے تدبیری کو نہیں غالب آنے دیا، جو بات بھی کرتے تھے اس میں حسن تدبیر اور حکمت ودانائی کی جھلک ہوتی تھی، کبھی انہوں نے گفت وشنید میں ایسا انداز نہیں اختیار کیا جس سے معلوم ہو کہ وہ اپنی بات کو مخاطب پر تھوپنے یا اسے بہ اصرار منوانے کی کوشش کررہے ہیں، وہ اپنی نجی مجلسوں میں اس بات کا ضرور تذکرہ فرماتے تھے کہ ’’غیر مسلم بھی اللہ کے بندے ہیں، انہیں بھی ہدایت ورہنمائی کی ضرورت ہے، ان تک حق کا پیغام پہنچانا اوران کے پیدا کرنیوالے کی تعلیمات سے انہیں آگاہ کرنا ہم تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے، ہم سب سے اللہ تعالی کے یہاں اس سلسلہ میں سخت مواخذہ ہوگا، ہم اپنی غفلت اور بے توجہی کیلئے اس کے ہاں جواب دہ ہوں گے‘‘۔

مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد سہارنپور کے بانی وناظم مولانا مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ’’اللہ تعالی نے ان کو ایسا ملکہ، ایسی فہم اور رجال شناسی اور رجال سازی کی صفت عطا فرمائی تھی کہ وہ چن چن کے ایسے آفتاب وماہتاب اپنے اردگرد جمع کرتے تھے جو کہکشاؤں کا ایک نورانی، علمی اور فکری سلسلہ معلوم ہوتا ہے، وہ خود مصنف نہیں تھے، مگر جوان کے پاس لگتا تھا وہ مصنف بن جاتا تھا، مؤرخ بن جاتا تھا، قلمکار بن جاتا تھا، مضمون نگار بن جاتا تھا، دین کی تڑپ اپنے اندر لے لیتا تھا، ایک نئے مدرسہ کی فکر اس کے اندر سما جاتی تھی، ایک نئی تربیت گاہ کا جذبہ اس کے اندر ابھر جاتا تھا، بلکہ اس کے اندر کچھ کر گزرنے کا جذبہ پیدا ہوجاتا تھا، معلوم نہیں مولانا ایسی توجہ ڈالتے تھے، ایسی سادگی سے بیٹری چارج کرتے تھے کہ جو ایک مرتبہ مولانا کے پاس آ گیا وہ گرویدہ ہوجاتا تھا، ہم نے آج تک نہیں سنا کہ کوئی آدمی مولانا عبداللہ حسنی سے ملا ہو، یا ان کی مجلس میں شریک ہوا، یا اس نے ان سے ملاقات کی ہو اور وہ بدظن ہوگیا ہو، یا اس کو مولانا سے نفرت ہوگئی ہو‘‘۔

مولانا ابوالحسن اسلامک اکیڈمی بھٹکل کے جنرل سکریٹری مولانا محمد الیاس ندوی بھٹکلی فرماتے ہیں کہ ’’مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے بعد ہندوستان میں حضرت مولانا کی فکر وسوچ کے مطابق جو بے شمار مدارس ومکاتب اور دینی ودعوتی ادارے ہمارے ملک میں وجود میں آئے ان کی ایک بڑی تعداد کیلئے سب سے زیادہ محرک اور رواسطہ بننے کی سعادت اللہ تعالی نے مولانا سید عبداللہ حسنی صاحب کو عطا فرمائی، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن کی وفات کے بعد تحریک پیام انسانیت کے متعلق ہر جگہ تشویش تھی کہ خود مفکر اسلام کی وفات اور مولانا اسحاق جلیس ندوی اور مولانا عبدالکریم پاریکھ وغیرہم کے نہ ہونے کی وجہ سے اس میں تعطل پیدا ہوگا لیکن گذشتہ بارہ تیرہ سالوں میں اس تحریک کے پلیٹ فارم سے ملک کے گوشوں گوشوں میں مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کی سرپرستی میں مولانا عبداللہ حسنی ندوی مرحوم کے ذریعہ اللہ نے جو کام لیا وہ حیرت انگیز تھا، جس احتیاط واعتدال کے ساتھ مولانا نے اس پلیٹ فارم کے دائرہ کو وسیع کیا اور ملک میں اس تحریک کو جو افراد مہیا ہوئے وہ عنداللہ اس تحریک کی قبولیت کی واضح دلیل ہے‘‘۔ ❁❁❁

جائزہ

بابیت اور بہائیت............ایک تعارفی جائزہ

مولانا شاہ عالم گورکھپوری دارالعلوم دیوبند

تحریک بابیت وبہائیت کا مولد بھی ایران ہے اور مدفن بھی، یہودی فتنہ پرور دانشوروں کی سرپرستی میں یہ تحریک انیسویں صدی کے نصف میں ایران پیدا ہوئی اور ایران ہی کے درمیان خوب پھلی پھولی، اس کے خمیر میں ایران میں پائے جانے والے مذہب کے ہی وہ فاسد خیالات ونظریات کارفرما ہیں جو ان کے درمیان مذہب کے نام سے منوائے جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ زیادہ تر اس فتنے کے شکار شیعہ مذہب کے ہی مختلف مکاتب فکر کے لوگ ہوئے، چونکہ اپنے مزعومات اور مخترعات کو شیعہ مذہب کے لوگوں نے اسلامی تواریخ سے جوڑ کر اس پر مذہب اسلام کا لیبل لگا رکھا تھا اس کی وجہ سے ابتدائی دور میں چیدہ چیدہ مسلمان اور دوسرے مسالک و مذاہب کے لوگ اس سے متأثر ضرور ہوئے لیکن شیعوں کے مقابلہ میں کم بلکہ بہت کم، بے سروپا خیالات ونظریات اور فاسد عقائد کے درمیان اس کو اس تیزی سے پنپنے کا موقع ملا کہ کچھ ہی دنوں میں اس نے مستقل ایک فرقہ کی شکل اختیار کر لی جس کا پہلا نام بابی اور اس کے بعد پھر بہائی پڑ گیا، یہ دونوں نام اس تحریک کے بانیوں کے نام پر ہیں۔

بابی فرقہ کا وجود ۱۸۴۴ء میں ہوا جس نے خود کو اسلام کے متبادل کے طور پر پیش کیا اور یہ دعویٰ کیا کہ بابیت کے آنے سے اسلام منسوخ ہو گیا لیکن پانچ چھ سال سے بھی کم مدت میں یہ فرقہ دم توڑ گیا، اس کے بعد بابیت کی جگہ ''ازلی'' فرقہ نے کمان سنبھالی لیکن اس کا حشر ''بابیت'' سے بھی خراب ہوا اور وہ اس سے کم مدت میں دم توڑ گیا، کیونکہ ان دونوں کا مقصد مذہب کی آڑ میں حکومت وقت کے تخت وتاج پر قبضہ کرنا تھا چنانچہ انھوں نے مذہبی چولے میں قتل وغارتگری جنگ وجدال کا جو بازار گرم کیا وہ تاریخ کا ایک مستقل سیاہ باب ہے، ۱۸۵۶ء میں ان دونوں کی جگہ بہائیت نے جنم لیا جس نے وہی دعاوی پیش کیے جو بابی اور ازلی فرقہ کے تھے، البتہ اپنے سابقہ سرغنوں کی عبرتناک شکست وریخت سے سبق لیتے ہوئے اس نے صلح وآشتی وامن جوئی کے نام پر آہستہ آہستہ قدم بڑھانا شروع کیے؛ لیکن تمام تر کوششوں کے باوجود چالیس پچاس سال کے اندر یہ فرقہ بھی اپنے زوال کی اس منزل کو پہنچ گیا کہ یہود و نصاریٰ کی کوکھ سے باہر کوئی اس کا جاننے والا نہیں رہ گیا۔

۱۸۹۲ء میں بہاء اللہ ایرانی کی موت کے بعد اس کے لڑکے عبدالبہاء عباس آفندی نے باسی کڑھی میں اُبال لانے کی کوشش کی؛ بہت سے قادیانی بھی مرزائیت سے متنفر ہوکر بہائیت میں داخل ہو گئے اور اپنے وجود کا ثبوت دینے کے لیے ''کوکب ہند'' کے نام سے انھوں نے آگرہ سے ایک اخبار بھی نکالا لیکن ۲۱ رجون ۱۹۲۱ء میں عبدالبہاء کے مرنے کے بعد اس تحریک میں ایک بار پھر اس قدر انتشار پیدا ہوا کہ اپنے شامت اعمال اور خود ساختہ بے جان خیالات ونظریات کی بدولت نہ صرف یہ کہ ہندوستان میں بلکہ پورے ایشیاء میں تقریباً نابود سا ہو گیا، جو کچھ بھی پوری دنیا میں بہائی پائے جاتے تھے وہ صرف امریکہ کی گود شکاگو میں یا جرمنی وغیرہ میں تھے، اس دوران تفریحی مقامات اور خوبصورت عمارتیں بنا کر نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کو سیر وتفریح کے مواقع فراہم کرنے کی حد تک ان کی سرگرمیاں محدود ہوکر رہ گئی تھیں۔

ایک طویل مدت کے بعد سیاسی حالات کی کروٹوں میں پھر ایک بار دانشورانِ فرنگ کو ہندستان کے سیاسی تناظر میں جب اسکی ضرورت محسوس ہوئی تو اِس بار اُنھوں نے حکمت عملی تبدیل کر دی اور چونکہ

انھیں یقین تھا کہ ہندستان جیسی مذہب پسند سرزمین میں بہائیت اپنے پاؤں پر نہیں چل سکتی اس لیے اس بار بجائے اپنی تحریک کی قوت پر بھروسہ کرنے کے، ہندوستان کی قدیم تاریخ سے ناواقف سیاسی حکمرانوں کا سہارا لے کر دوبارہ اسکی آبیاری شروع کردی، ان سیاسی حکمرانوں کو کون بتائے کہ مرزائی ہوں یا بہائی یہ ہمیشہ انگریزوں اور یہودیوں کے آلۂ کار رہے ہیں، جس برتن میں یہ کھاتے ہیں اسی میں چھید کرنا ان کی فطرت اور تاریخ ہے اور اس کی ایک زندہ مثال انڈونیشیا کا ملک بھی ہے کہ جہاں ۱۹۶۳ء میں مجبور ہوکر حکومت وقت کو بہائی سرگرمیوں پر سخت پابندی عائد کرنی پڑی۔

۱۹۶۳ء میں جب انڈونیشیا میں حکومتی سطح پر بہائیوں پر پابندی لگی تو اسرائیلی حکام نے دوبارہ اس کو منظّم کرکے اس کا رخ ہندوستان کی طرف طے کیا اور دہلی کے مرکزی علاقے ''کالا جی'' میں ۱۲۶/۱ ایکڑ زمین حاصل کی جسے مرکزی سیاستدانوں کے اشارے پر دہلی کی ترقی کے لیے کام کرنے والے سرکاری ادارہ (DDA) نے فراہم کیا تھا، پھر ۱۹۸۱ء میں تین سو کروڑ کی لاگت سے کمل کے پھول کی شکل میں جب اس کی تعمیر مکمل ہوئی تو بہائیوں نے اسے اپنا معبد و سینٹر بنا کر ہندوستان میں اپنے بال و پر نکالنے شروع کر دیئے ہیں اور افسوس کی بات ہے کہ یہ سارا کام بھی ہندوستانی سیاستدانوں کی نگرانی میں مکمل ہوا، اب یہ سینٹر بہائی مندر (LOTUS TEMPLE) کے نام سے نوجوان جوڑوں کے لیے بہترین تفریح گاہ بنا ہوا ہے، اسی کی آڑ میں بہائی، مختلف اقوام کے نوجوانوں کا شکار کرتے ہیں۔

بہائی تحریک کے رہنماؤں نے جابجا اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ بہائی ازم کا مذہب اسلام سے کوئی تعلق نہیں، بہائیوں نے جب مذہب اسلام سے علیحدگی کا اعلان کر دیا تھا تو ہمیں ان سے سروکار ہی کیا تھا، اسی لیے آپ دیکھیں گے کہ علماء اسلام نے بابیت اور بہائیت کے خلاف بہت کم قلم اٹھایا ہے؛ لیکن دیکھا یہ جارہا ہے کہ اب وہ بتدریج مرزائیوں کی طرح خود کو مسلمانوں میں شمار کرانے لگے ہیں اور مسلمانوں کو بھی اپنے دام فریب کا نشانہ بنا رہے ہیں، ان حالات میں ضرورت تھی کہ اُن کی خطرناکی سے مسلمانوں کو واقف کرایا جائے تاکہ مسلمان ان کے مکروفریب سے بچ سکیں۔

بہائیت کی تاریخ اور اس فرقہ کے نظریات و خیالات پر مشتمل خود اس فرقے کے بانیوں کے قلم سے اور اسی طرح اس فرقہ کے پڑھے لکھے معتقدین کی طرف سے بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں اور براعظم ایشیاء میں ایران و ہندوپاک و برما کے علاوہ یورپی ممالک امریکہ وغیرہ میں بھی اس موضوع پر بہت کچھ لکھا گیا ہے؛ لیکن ان تصانیف کا بیشتر حصہ اپنی استدلالی کمزوریوں کے باعث اس فرقہ کے ہی سرغنوں کے ہاتھوں یا تو قصداً ضائع کر دیا گیا یا امتدادِ زمانہ کے باعث خود بخود اپنے منطقی انجام کو پہنچ کر ضائع ہوگیا، تاہم بہائی معتقدین اور اُن کی رد میں لکھی جانے والی چند کتابیں ایسی دستیاب ہوتی ہیں جن سے اس فرقہ کے صحیح حالات و نظریات و خیالات کو جانا جاسکتا ہے، انہی کتابوں میں سے ایک ''بابیت اور بہائیت ایک تعارف'' نامی کتاب بھی ہے، اس کتاب کو ترتیب دیتے وقت بہائیوں کی اصل کتابوں کو سامنے رکھا گیا نقل درنقل یا رد بہائیت پر لکھی گئی کتابوں پر انحصار نہیں کیا گیا، چونکہ بہائی رہنماؤں کی قدیم اور بنیادی کتابیں عموماً دستیاب نہیں ہوتیں؛ بعد کے بہائیوں نے بھی اپنی قدیم کتابوں سے استفادہ کرکے جو کچھ شائع کی ہیں اور اُن پر صدی گذرنے کو ہے؛ ظاہر سی بات ہے کہ قدیم کتابوں کے دستیاب نہ ہونے کی صورت میں اب وہی بہائیوں کے حق میں حجت اور اصل کا درجہ رکھتی ہیں۔

بہائی خیالات و نظریات کے ساتھ بہائیوں اور قادیانیوں کے مابین حد درجہ مماثلت پائی جاتی ہے، اسلامی مرکزی درسگاہوں کے مفتیان کرام نے بھی دونوں کے احکامات یکساں درج کیے ہیں، دور حاضر کے بہائیوں نے اپنی قدیم راہ وروش سے ہٹ کر مرزائیوں کی طرح اسلام اور مسلمانوں میں گھس پیٹھ بنانے کی کوشش شروع کر دی ہے۔

❁❁❁❁

تزکیہ واحسان

تیسری اور آخری قسط

رہنمائے سلوک وطریقت

محمد مسعود عزیزی ندوی

سلوک وطریقت کے اصول:

تمام مشائخ تصوف اور اصحاب سلاسل، طریقت کے اصول ومقاصد کے بارے میں متفق ہیں، ان میں جو کچھ اختلاف ہے طریقہ کار کے بارے میں ہے، تمام مشائخ سلاسل کا حسب ذیل باتوں پر اتفاق ہے۔

(۱) سالک کے لیے سب سے پہلے ضروری ہے کہ صحابہ وتابعین اور سلف صالحین کے عقائد کے مطابق اپنے عقائد درست کرے، ارکان اسلام کی پابندی کر کے کبائر گناہوں سے بچے، اسلامی شعائر کی تعظیم کرے۔

(۲) اگر کتب احادیث وآثار صحابہ کے استنباط واستخراج پر قادر نہ ہو تو ضروری ہے کہ چار مشہور مذاہب (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) میں سے کسی ایک کی تقلید کرے، ناقص متاخرین کے اقوال کو قابل التفات نہ سمجھے، یہ سلوک وطریقت کا بنیادی اصول ہے، اسے مضبوطی سے پکڑے، اس کے بغیر سلوک صحیح نہیں ہوتا۔

عقائد کی درستگی:

سلف صالحین کے عقائد کے مطابق صحیح عقائد یہ ہیں:

اللہ تعالی کے بارے میں یقین رکھے کہ وہ یکتا اور واجب الوجود (اسکا وجود قدیم ہے وہ اپنے وجود میں کسی کا محتاج نہیں) اس کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں۔

اللہ تعالی کمال کی تمام صفات کے ساتھ متصف ہے، صفات کمال سے مراد حیات، علم، قدرت وغیرہ وہ تمام اوصاف ہیں، جن کے ساتھ اللہ جل شانہ نے اپنی پاک ذات کو متصف قرار دیا ہے، یا جو اوصاف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالی کے لیے بیان فرمائے ہیں۔

اللہ تعالی ہر عیب اور زوال سے پاک ہے، نہ جسم والا ہے، نہ کسی جگہ میں ہے، اس کا نہ کوئی رنگ ہے نہ کوئی شکل، وہ بے مثل ہے، سننے اور دیکھنے والا ہے۔

اس بات پر یقین اور ایمان رکھے کہ تمام نبی اور رسول حق پر ہیں، اللہ کی چاروں کتابیں (توارت، زبور، انجیل، قرآن) حق ہیں، تمام انبیاء پر عموما اور محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پر خصوصاً ایمان رکھے، چاروں آسمانی کتابوں پر عموماً اور قرآن پر خصوصاً ایمان رکھے۔

خلفائے راشدین کے فضل وکمال پر اسی ترتیب سے اعتقاد رکھے، جس ترتیب سے انہیں خلافت ملی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کی محبت کو مضبوطی سے پکڑے رہے، اس بات پر عقیدہ رکھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخرت، حشر ونشر، عذاب قبر، حساب، جنت ودوزخ، پلصراط، میزان عمل وغیرہ کے جو حالات بیان فرمائے ہیں بالکل سچ ہیں، عقیدہ کی درستگی کے بعد کبائر (بڑے گناہوں) کو جان کر ان سے بچنا ضروری ہے۔

اورادواشغال:

عقائد کی تصحیح اور مذکورہ بالا امور کی ادائیگی کے بعد سالک سے مطلوب ہے کہ اپنے اوقات ذکر وتلاوت، نماز ونوافل اور دوسری عبادتوں سے معمور رکھے، اخلاق حسنہ حاصل کرنے کی کوشش کرے، ریا کاری، حسد، غیبت اور تمام بری خصلتوں سے اجتناب کرے۔

اس موقع پر ایک نکتہ ذہن نشیں کرلینا چاہیئے، وہ یہ کہ طریقت وتصوف کے سلاسل میں سے ہر سلسلہ میں اوراد ونوافل سے وقت کو مشغول رکھنے کا ایک خاص نظام الاوقات بتایا گیا ہے، یہ تمام نظام الاوقات اور طریقے پسندیدہ ہیں؛ لیکن سب سے زیادہ محبوب اور بہتر طریقہ وہ ہے جو حدیث کی صحیح کتابوں کے مطابق ہو، میدان سلوک وطریقت کے نووارد کے لیے اس فن کی باریکیوں اور اسرار ورموز میں مشغول ہونا نفع بخش ہونے کے بجائے مضر ہوجاتا ہے، اس لیے اسے ان اوراد ووظائف پر اکتفا کرنا چاہیئے، جو اہل سنت کی مشہور کتابوں میں مذکور ہیں، سب سے بہتر یہ ہے کہ ان اوراد واذکار میں مشغول ہو جو عشق ومحبت الٰہی کو برانگیختہ کریں، اور دل کو خالق ومالک کی طرف کھینچیں، جذبہ محبت کی آبیاری اور تقویت کو اپنا مقصد قرار دے، بقدر ضرورت حب جاہ، حب مال مٹانے کی کوشش کرے، یعنی اس قدر کہ اوراد واذکار دل جمعی کے ساتھ ادا ہوسکیں، یہ ضروری نہیں کہ مکمل طور سے ذرائع معاش ترک کردے، حتی کہ حقوق واجبہ کی ادائیگی بھی نہ کرسکے اور دوسروں کا محتاج ہوجائے۔

روز وشب کے معمولات وعبادات:

سالک کے لیے درج ذیل نمازوں کی پابندی ضروری ہے۔

۱- سترہ رکعت فرض نمازیں۔

۲- بارہ رکعت سنت مؤکدہ۔

۳- گیارہ رکعت تہجد ووتر۔

۴- دو رکعت اشراق۔

۵- چار رکعت صلوۃ الضحیٰ (چاشت کی نماز)۔

اس جگہ ایک نکتہ سمجھ لینا چاہیئے کہ فرائض، سنن مؤکدہ کے علاوہ بقیہ نمازوں کی اتنی پابندی نہ کرے کہ ان کی وجہ سے اللہ یا بندوں کے حقوق فوت ہوجائیں، مذکورہ نوافل کی ادائیگی کے وقت اگر کوئی دوسرا اہم کام پیش آجائے، مثلاً نماز جنازہ یا کسی بندۂ خدا کی حاجت روائی، تو نوافل کو چھوڑ کر اسی میں مشغولیت زیادہ بہتر ہے، کیونکہ اس میں ریاکاری کا شائبہ نہیں، عقلمند کے لیے اشارہ ہی کافی ہے، صبح وشام اور سونے کے وقت کے ان اذکار اور دعاؤں کی پابندی کرے، جو صحیح احادیث سے ثابت ہیں، نفی واثبات کا ذکر ہزار بار بلند آواز سے، اس کے بعد آہستہ آہستہ کرے، اگر اس قدر ممکن نہ ہو تو جتنی بار کرسکے کرے، جتنا ممکن ہوسکے درود پڑھے، استغفار کرے؛ لیکن پچیس بار سے کم نہ ہو، سحر کے وقت سو بار سبحان اللہ وبحمدہ کا اور سو بار لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ الخ کا ورد کرے، اس میں بڑی برکت ہے۔

عرفہ (نویں ذی الحجہ) اور عاشورہ (دسویں محرم) کا روزہ رکھے، ہر مہینہ میں تین روزے رکھے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے، شوال میں چھ روزے رکھے، ہر روز ایک مسکین کو کھانا کھلائے، اپنے زائد مال میں صدقہ فطر اور صدقات واجبہ کے علاوہ ایک جوڑا کپڑا صدقہ کرے۔

اگر حافظ قرآن ہو تو روزانہ اس قدر تلاوت کرے کہ سات روز میں قرآن ختم ہوجائے، ہاں اگر دوسرے اہم تر باطنی اوراد واشغال میں مشغول ہو تو جتنی تلاوت سہولت سے کرسکے کرے، غیر حافظ کم ازکم روزانہ سور درمیانی آیات کے بقدر تلاوت کرے، جس کی تعداد پاؤ پارہ نصف پارہ کے درمیان ہوتی ہے، روزانہ دو تین ورق حدیث کا مطالعہ کرے، ایک دو رکوع قرآن کا ترجمہ سنے، یا خود دیکھے۔

سالک اگر قوی المزاج ہو تو اتنی مقدار کھانا کھائے جس سے کم کھانا ضعف کا باعث بن جاتا ہے، اور ضعیف المزاج ہو تو اتنا کھائے کہ زیادہ آسودگی یا بھوک کی وجہ سے اکثر اوقات اس کا دل ودماغ پیٹ میں مشغول نہ رہے، دن رات کا ایک تہائی حصہ سونے میں صرف کرے، دو حصے بیداری میں، مثلاً دن میں ایک گھنٹہ استراحت کرے، چوتھائی رات تک بیدار رہے، سحر سے ایک گھنٹہ قبل بیدار ہوجائے، اس کے بعد تھوڑی دیر استراحت کرے، صبح کے دھندلکے (غلس) میں پھر بیدار ہوجائے، سونے، جاگنے کے اس نظام میں تھوڑی بہت تبدیلی کرسکتا ہے۔

سالک سے عزلت (یکسوئی) اس قدرت مطلوب ہے کہ کسی دینی یا دنیوی ضرورت کے بغیر لوگوں میں اٹھنا بیٹھنا کم کردے، دینی ضرورت یا عبادت کے لیے لوگوں میں نشست وبرخاست اس سے مستثنیٰ ہے، مثلاً مریض کی عیادت، مصائب پر دلاسا اور تعزیت، صلہ رحمی، علمی مجالس میں حاضری، طبیعت کی سختی اور پراگندگی دور کرنے کے لیے لوگوں میں بیٹھنا۔

لباس اور کمائی میں اپنے ہم جنس لوگوں سے ممتاز رہنا شریعت کی نگاہ میں پسندیدہ نہیں ہے، اپنے ہم جنس اور ہم پیشہ افراد کے طریقہ پر زندگی گزارے، اگر سالک کا تعلق طبقہ علماء سے ہے تو علماء کے طور وطریق پر رہے، اگر صنعت کاروں میں سے ہے تو اہل صنعت کا لباس پہنے، اگر سپاہی ہے تو سپاہیوں کی طرح رہے۔

تنبیہ: یہ معمولات سالک کی آسانی کے لیے لکھ دئے گئے ہیں، ورنہ تو شیخ کی تعلیم اور ہدایت کے مطابق سالک کو چلنا ضروری ہے۔

نفی واثبات کا ذکر:

مذکورہ بالا امور کی پابندی اور ان پر مداومت نصیب ہونے کے بعد سالک کو چاہئے کہ اب پہلے کی طرح محض وظیفہ اور ڈیوٹی کے طور پر ذکر نہ کرے، بلکہ اہل عشق ومحبت کی طرح ذکر کرے، ذکر سے سب سے زیادہ اس شخص کو فائدہ ہوتا ہے، جو شخص صحیح المزاج اور قوی العشق ہو، جو شخص صاحب اہل وعیال اور پراگندہ مزاج ہے، یا اس پر صفت عشق غالب نہیں ہے، اسے ذکر سے کوئی بڑا فائدہ نہیں ہوتا، حاصل کلام یہ کہ جمہور اہل طریقت کے نزدیک سب سے افضل نفی واثبات اور اسم ذات کا ذکر ہے، اس ذکر کے کچھ شرائط وآداب مقرر ہیں، ان شرائط وآداب کو مقرر کرنے کا راز یہ ہے کہ ان کی رعایت کرنے سے دل جمعی حاصل ہوتی ہے، وساوس کا ازالہ ہوتا ہے، محبت کی گرمی پیدا ہوتی ہے۔

ذکر نفی واثبات کے لیے اس درجہ کی فرصت وفراغت چاہئے کہ اس وقت نہ بھوکا ہو، نہ بہت زیادہ شکم سیر، نہ غضبناک ہو، نہ متفکر اور مغموم، خلاصہ یہ کہ تمام نفسانی اور خارجی عوارض ومشغولیات سے فارغ ہو، خلوت میں جاکر مکمل طہارت حاصل کرے، یعنی غسل یا وضو کرکے پاک وصاف کپڑے پہن لے، دل میں کسی طرح گرمی پیدا کرے، خواہ موت کو یاد کرکے یا محبت انگیز حکایات کا مطالعہ کرکے یا واعظ کا وعظ سن کر یا مؤثر ورقت انگیز اشعار کے ذریعہ یا کسی اور جائز طریقے سے، اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھ کر قبلہ رو نمازی کی طرح بیٹھ جائے، اور زبان سے لا الہ الا اللہ کا ورد کرے، لا کو نیچے سے شروع کرے، الہ دماغ میں کہے، اور پوری قوت سے دل پر الا اللہ کی ضرب لگائے، تشدید اور مد کو خاص طور سے ملحوظ رکھے۔

نفی کرتے وقت غیر اللہ کی محبت بلکہ غیر اللہ کے وجود کو پیش نظر رکھے، ذکر نفی واثبات کے وقت سالک کو اس شخص کی ہیئت میں ہونا چاہئے، جو حالت وجد میں ہونے کی وجہ سے اپنا سر کپڑے سے چھپا نہیں سکتا، اگر بے تکلف اس پر یہ حال طاری نہ ہو پارہا ہو، تو بہ تکلف اس حال کو طاری کرے، جس قدر وجد طاری ہوتا جائے، اسی قدر آواز بلند کرتا جائے، وجد کی گرمی بڑھنے کے ساتھ آواز تیز ہوتی جائے گی اور ضرب میں شدت اور تسلسل پیدا ہوتا جائے گا، اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ جو کامل المزاج اور جوہر محبت کا حامل ہوگا، اگر وہ مذکورہ بالا طریقہ پر دو ایک گھنٹہ ذکر کرے گا تو اسے اطمینان قلب نصیب ہوگا، وساوس کا ازالہ ہوجائے گا، اور اسے شوق ومحبت کی گرمی حاصل ہو جائے گی، اس کے بعد ایک گھنٹہ اس کی نگہداشت میں صرف کرے، اس کیفیت کو عمدہ اور قابل قدر سمجھے اور حتی الامکان اس کی نگہداشت کی سعی کرے، اگر یہ کیفیت ختم ہوجائے، یا کمزور پڑ جائے تو اسے بڑھانے کی کوشش کرے، صحیح الفہم، کامل المزاج شخص ایک ہی مجلس میں اس کیفیت کو سمجھ سکتا ہے، اگر سالک سخت طبیعت، قوی الجسم ہے تو تین روز کھانے میں کمی کردے، اور چند روز نفی واثبات کا ذکر کرے، یقیناً اسے یہ کیفیت حاصل ہوجائے گی اور اسے سمجھ جائے گا، اگر محنت کرنے کے باوجود وہ شخص اس کیفیت سے آشنا نہ ہوسکا تو اسے اس سلسلہ میں معذور سمجھنا چاہئے اور دوسرے اوراد وظائف میں مشغول

رہنا چاہیئے، اس کے لیے ظاہری اوراوپری عمل کرنا کافی ہے۔

محاسبہ:

محاسبہ یہ ہے کہ صبح اٹھنے کے وقت سے رات کو سونے کے وقت تک کے اپنے اعمال کو سوچے، عبادات وطاعات پر اللہ کا شکر ادا کرے، مزید توفیق طلب کرے، اور اپنی کوتاہی اور نامناسب باتوں پر شرمندہ ہو اور بچنے کی تدبیر کرے۔

مراقبہ اوراس کا مفہوم:

مراقبے کا لغوی مفہوم انتظار ہے، مگر اصطلاح تصوف میں اس سے مراد جناب باری تعالیٰ عزاسمہ سے انتظار فیض ہے، مراقبہ دراصل نص قرآنی "وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ" (اور کیا تم اپنی جانوں کے بارے میں غوروفکر نہیں کرتے) کی عملی ہیئت ہے، وہ آیات الٰہیہ جو نفس انسانی میں مستور ہیں، ان کے مختلف انوار ولطائف میں مراقبہ ہی امتیاز کرتا ہے۔

آیت مذکورہ پر مزید غور کیا جائے تو یہ امر بہ آسانی مفہوم ہوتا ہے کہ ان آیات سے آگاہی وشہود کا حکم دیا گیا ہے، سالک مراقبے کی بہ دولت تمام روحانی مقامات طے کرتا ہے اوراس کے باطن پر انوار واسرار ربانیہ پیہم نازل ہوتے چلے جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ایک عارف کامل درجات عالیہ پر فائز ہونے کے بعد جو کچھ دیکھتا ہے، اپنے اندر ہی دیکھتا ہے، قلب سے لایقین تک ساری ولایت جو سیر قدمی وسیر نظری پر مشتمل ہے، اسی سے حصول پذیر ہے، اس سے دوام حضور میسر آتا ہے، اور سالک کے رگ وپے میں سوزوگداز پیدا ہوتا ہے، اسی بنا پر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ "ہمارا سلوک خانہ توحید کو نقب لگانے کے مترادف ہے، خلوت ویکسوئی مراقبے کے لوازم میں سے ہے" خلوت سے کیا مراد ہے؟

ملا علی قاری نے شرح عین العلم میں اسے یوں بیان کیا ہے:

"ثُمَّ الْقَوْمُ مُخْتَلِفُوْنَ فِیْ سُلُوْكِ طَرِيْقِهِمْ، فَمِنْهُمْ مَنْ جَعَلَ مَدَارَالْخَلْوَةِ عَلٰى خُلُوِّ الْقَلْبِ عَنْ غَيْرِ ذِكْرِ الرَّبِّ وَمُشَاهَدَةِ الْخَلْقِ وَلَوْ كَانَ فِیْ مَجْمَعِ الْخَلْقِ" پھر لوگوں کا اپنے اپنے سلوک طریق میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک خلوت کا دارومدار اس پر ہے کہ دل خلق کے مشاہدے سے فارغ ہوجائے اوراس میں ذکر الٰہی کے سوا کوئی چیز جاگزیں نہ رہے، اگرچہ مراقبہ کرنے والے کی نشست وبرخاست مخلوق کے ساتھ ہو۔

آگے چل کر مصنف موصوفؒ نے اس کی مزید وضاحت کی ہے، اور فرمایا کہ "سر کا لپیٹنا اورآنکھوں کا بند کرنا، اس وجہ سے ہے کہ سالک اطمینان قلب سے ذات باری تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوسکے، اسے خلوت صغیرہ بھی کہتے ہیں، مراقبہ شروع کرتے وقت مبدأ فیض اور مورد فیض کا لحاظ بے حد ضروری ہے۔

مراقبے کی کتنی ہی قسمیں ہیں، یہاں مراقبہ احدیت کی نیت نقل کی جاتی ہے، اس طرح سے نیت کرے کہ مجھے ایسی ذات کی طرف سے فیض پہنچ رہا ہے، جو کمال کی تمام صفات کی جامع اور ہر نقص وزوال سے پاک تر ہے، جو میرے دل پر لطیفہ فیض کا ورود کرنے والی ہے۔

مراقبہ موت:

نزع کی حالت اور قبر میں سوال وجواب، میدان حشر، حساب وکتاب، حق تعالیٰ کے سامنے پیشی اور جواب دہ ہونا اور پلصراط سے گزرنا، ان سب چیزوں کو سوچنا اور عہد کرنا کہ آئندہ کسی معصیت کے پاس نہ جاؤں گا، پھر ایک تسبیح استغفار کی پڑھنا، استغفار یہ ہے:

"سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ، اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَيُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ"۔

مجاہدہ کی حقیقت:

مجاہدہ کی حقیقت خواہشات نفس کی مخالفت کی مشق وعادت ہے، کہ حق تعالیٰ کی رضا وطاعت کے مقابلے میں نفس کی جانی ومالی وجاہی خواہشات ومرغوبات کو مغلوب رکھا جائے۔

مجاہدہ کے اقسام:

مجاہدہ کی دو قسمیں ہیں، ایک "مجاہدہ جسمانی"، کہ نفس کو مشقت کا

عادی کیا جائے، مثلاً نوافل کی کثرت سے نماز کا عادی کرنا اور روزہ کی کثرت سے طعام کی حرص وغیرہ کو کم کرنا، اور ایک مجاہدہ بمعنی مخالفت نفس ہے کہ جس وقت نفس معصیت کا تقاضا کرے، اس وقت اس کے تقاضے کی مخالفت کرنا، اصل مقصود یہ دوسرا مجاہدہ ہے اور یہ واجب ہے، اور پہلا مجاہدہ اسی کی تحصیل کے لیے کیا جاتا ہے، کہ جب نفس مشقت برداشت کرنے کا عادی ہوگا، تو اس کو اپنے جذبات کے ضبط کرنے کی بھی عادت ہوگی، لیکن اگر بدون مجاہدہ جسمانیہ کے کسی کو نفس پر قدرت ہوجائے، تو اس کو مجاہدۂ جسمانیہ کی ضرورت نہیں، مگر ایسے لوگ بہت کم ہیں، اسی واسطے صوفیا نے مجاہدہ جسمانیہ کا بھی اہتمام کیا ہے، اور ان کے نزدیک اس کے چار ارکان ہیں:

(۱) قلت طعام۔

(۲) قلت کلام۔

(۳) قلت منام۔

(۴) قلت اختلاط مع الانام۔

خلاصہ یہ ہے کہ ریاضت ومجاہدہ کے دو رکن ہیں، اول مجاہدہ اجمالی یا جسمانی، دوسرا مجاہدۂ تفصیلی یا نفسیانی۔

مجاہدہ اجمالی کے چار اصول جو بیان کئے گئے، وہ یہ ہیں:

(۱) قلت کلام۔

(۲) قلت طعام۔

(۳) قلت منام۔

(۴) قلت اختلاط مع الانام۔

ان سب امور میں اعتدال یعنی درمیانی راہ حسب تعلیم شیخ کامل ملحوظ رکھے، نہ اس قدر کثرت کرے جس سے غفلت وقساوت اور کاہلی پیدا ہو، نہ اس قدر قلت کرے کہ جس سے صحت وقوت زائل ہوجائے۔

دوسرے رکن مجاہدۂ تفصیلی کی دو قسمیں ہیں، اول اخلاق حمیدہ، دوسری اخلاق رذیلہ، ان دونوں قسموں کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

اخلاق کا بیان:

جاننا چاہئے کہ خَلْق اور خُلُق جدا جدا دو لفظ ہیں، خلق سے مراد صورت ظاہری ہے، اور خُلُق سے مراد صورت باطنی؛ کیونکہ انسان جس طرح جسم سے ترکیب دیا گیا ہے، اور ہاتھ پاؤں اور آنکھ کان وغیرہ اعضاء اس کو مرحمت ہوئے ہیں، جن کا قوت بصارت یعنی چہرے کی آنکھیں ادراک کرسکتی ہیں، اسی طرح انسان روح اور نفس سے ترکیب دیا گیا ہے، اور اس کا ادراک بصیرت یعنی دل کی آنکھ کرتی ہے، یہ ترکیب ان ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتی، اور ان دونوں ترکیبوں میں حق تعالی نے اپنی مخلوق کو جدا جدا صورت اور قسم قسم کی شکلوں پر پیدا فرمایا ہے۔

صورت اور سیرت کیا ہے؟

کوئی صورت اور سیرت حسین اور اچھی ہے اور کوئی سیرت اور صورت بری ہے، بھونڈی ہے، ظاہری ہیئت اور شکل کو صورت کہتے ہیں، اور باطنی شکل اور ہیئت کو سیرت کہتے ہیں، سیرت کا مرتبہ صورت سے بڑھا ہوا ہے، کیونکہ اس کو حق تعالی نے اپنی جانب منسوب کیا ہے، چنانچہ "وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي" یعنی آدم علیہ السلام کے پتلے میں میں نے اپنی روح پھونک دی، اس آیت کریمہ میں روح کو اپنا کہہ کر ذکر فرمایا ہے، اور "قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي" یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے کہ روح میرے پروردگار کا امر ہے، اس میں اس امر کا اظہار فرمایا ہے کہ روح امر ربی ہے، اور جسم کی طرح سفلی اور خاکی نہیں ہے، کیونکہ جسم کی نسبت مٹی کی جانب فرمائی ہے، جیسا کہ ارشاد ہے "وَإِنِّي خَالِقٌ بَشَراً مِّنْ طِينٍ" اس مقام پر روح سے مراد شئی ہے، جو حق تعالی کے الہام اور القاء سے اپنی اپنی استعداد کے موافق اشیاء کی معرفت اور ادراک حاصل کرتی ہے۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ زیادہ قابل لحاظ امر ربانی یعنی سیرت انسانی ہے کہ جب تک اس باطنی ترکیب کی شکل اور ہیئت میں حسن موجود نہ ہوگا، اس وقت تک انسان کو خوب سیرت نہیں کہا جاسکتا اور چونکہ اس صورت

کے اعضاء ہاتھ پاؤں کی طرح سیرت کو بھی اللہ تعالی نے باطنی اعضاء مرحمت فرمائے ہیں، جن کا نام قوت علم وقوت غضب وقوت شہوت اور قوت عدل ہے، لہٰذا جب تک یہ چاروں اعضاء سڈول اور متناسب اور حد اعتدال پر نہ ہوں گے، اس وقت تک سیرت کو حسین نہیں کہا جائے گا، ان باطنی اعضاء میں جو بھی کمی بیشی ہوگی، اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے کسی کی ظاہری شکل وصورت جسمیہ میں افراط وتفریط ہو کہ پاؤں مثلاً گز بھر ہوں، اور ہاتھ تین گز کے، یا ایک ہاتھ مثلاً آدھا گز کا ہو اور دوسرا گز بھر کا، اور ظاہر ہے کہ ایسا آدمی خوب صورت نہیں کہا جائے گا۔

پس اسی طرح اگر کسی کی قوت غضبیہ مثلاً حد اعتدال سے کم ہے اور قوت شہوانیہ اعتدال سے بڑھی ہوئی ہے، تو اس کو خوب سیرت نہیں کہہ سکتے۔

سیرت کے باطنی اعضاء اوران کا حسن وتناسب:

اب ہم چاروں اعضائے مذکورہ کے اعتدال وتناسب اور حسن کو بیان کرتے ہیں:

اول قوت علم، اس کا اعتدال یہ ہے کہ انسان اس کے ذریعہ سے اقوال کے اندر سچ جھوٹ میں امتیاز اور اعتقادات کے متعلق حق اور باطل میں فرق کر سکے، اور اعمال میں حسن وقبح یعنی اچھا اور برا پہچان سکے، پس جس وقت یہ صلاحیت پیدا ہو جائے گی، تو اس وقت حکمت کا وہ ثمرہ پیدا ہوگا، جس کو حق تعالی بایں الفاظ ارشاد فرماتے ہیں "وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا" یعنی جس کو حکمت عطا ہوئی، اس کو خیر کثیر عطا ہوئی، اور حقیقت میں تمام فضیلتوں کی اصل اور جڑ یہی ہے۔

دوم وسوم غضب اور قوت شہوت، ان کا اعتدال اور حسن یہ ہے کہ دونوں قوتیں حکمت وشریعت کے اشارے پر چلنے لگیں اور مہذب اور مطیع شکاری کتے کی طرح شریعت کی فرماں بردار بن جائیں کہ جس طرف بھی شریعت ان کو چلائے بلا عذر وبلا تأمل اس جانب چلنے لگیں اور جس طرف سے روکے فوراً رک جائیں۔

چہارم قوت عدل، اس کا اعتدال یہ ہے کہ قوت غضب اور شہوت دونوں کی باگ اپنے ہاتھ میں لے، اوران کو دین اور عقل کے اشارے کے ماتحت بنا رکھے، گویا عقل تو حاکم ہے اور یہ قوت عدل اس کی پیش کار ہے، کہ جدھر حاکم کا اشارہ پائے، فوراً اسی جانب جھک جائے، اور اس کے موافق احکام جاری کر دے، اور قوت غضبیہ اور شہوانیہ گویا شکاری مرد کے مہذب کتے ہیں، یا فرماں بردار گھوڑے کی طرح ہیں، کہ ان میں حاکم کا حکم اور ناصح کی نصیحت کا نفاذ اور اجراء ہوتا ہے، پس جس وقت یہ حالت قابل اطمینان اور لائق تعریف ہو جائے گی اس وقت انسان صاحب حسن خلق اور خوب سیرت کہلائے گا۔

اخلاق کی قسمیں:

اخلاق باطنہ دو قسم پر ہیں، ایک قلب سے متعلق، دوسرے نفس سے متعلق، اخلاق باطنہ جن کا تعلق قلب سے ہے، ان کا نام اخلاق حمیدہ وملکات فاضلہ ہے، ان کو مقامات سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور وہ یہ ہیں: توحید، اخلاص، توبہ، محبت الٰہی، قوت زہد، توکل، قناعت، حلم، صبر، شکر، صدق، تفویض، تسلیم، رضا، فناء، فناء الفناء، دوسرے جن اخلاق باطنہ کا تعلق نفس سے ہے، ان کا نام اخلاق رذیلہ ہے، اور وہ یہ ہیں، طمع طول امل، غصہ، دروغ، غیبت، حسد، بخل، ریا، عجب، کبر، حقد، حب مال، حب جاہ، حب دنیا، ان سے نفس کو پاک کرنے کا نام تزکیہ نفس ہے۔

اخلاق حمیدہ:

توحید کی حقیقت: یہ یقین کر لینا کہ بدون ارادہ خداوندی کے کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔

طریق تحصیل: مخلوق کے عجز اور خالق کی قدرت کو یاد کرنا اور سوچنا۔

اخلاق کی حقیقت: اپنی طاعت میں صرف اللہ کے تقرب اور رضا کا قصد کرنا اور مخلوق کی خوشنودی، اور رضا مندی یا اپنی کسی نفسانی ومالی وجاہی خواہش کے قصد کو نہ ملنے دینا۔

طریق تحصیل: ریا کو دفع کرنا عین اخلاص کا حاصل کرنا ہے۔

توبہ کی حقیقت: خطا کو یاد کرکے دل کا دکھ جانا، اور اس کے لیے لازم ہے اس گناہ کا ترک کر دینا، اور آئندہ کو پختہ ارادہ کرنا کہ اب نہ کریں گے، اور خواہش کے وقت نفس کو روکنا توبہ کہلاتا ہے۔

طریق تحصیل توبہ: قرآن وحدیث میں جو وعیدیں گناہوں پر آئی ہیں، ان کو یاد کرے اور سوچے، اس سے گناہ پر دل میں سوزش پیدا ہو گی، یہی توبہ ہے۔

حقیقت محبت: طبیعت کا ایسی چیز کی طرف مائل ہونا، جس سے لذت حاصل ہو، محبت کہتے ہیں، یہی میلان اگر قوی ہو جاتا ہے تو اس کو عشق کہتے ہیں۔

طریق تحصیل محبت: اللہ تعالی کے کمالات واوصاف اور انعامات کو یاد کرے اور سوچے، احکام شرعیہ کی بجا آوری اور کثرت ذکر اللہ کرکے غیر اللہ کی محبت دل سے نکالے۔

حقیقت شوق: جس محبوب چیز کا من وجہٍ (ایک طرح سے) علم ہو اور من وجہ (ایک طرح سے) علم نہ ہو، اس کو بکمال جاننے اور دیکھنے کی خواہش طبعی ہونا شوق کہلاتا ہے۔

طریق تحصیل شوق: محبت الٰہی پیدا کر لینا کیونکہ محبت کے لیے شوق لازم ہے۔

حقیقت انس: جو چیز من وجہ ظاہر اور معلوم ہو، اور من وجہ مخفی ومجہول ہو، اگر وجوہ معلومہ پر نظر واقع ہو کر اس پر فرح وسرور ہو، اس کو انس کہتے ہیں۔

طریق تحصیل انس: چونکہ یہ بھی آثار محبت سے ہے، اس لیے اس کی تحصیل کے لیے کوئی جداگانہ طریقہ نہیں ہے، محبت کے ساتھ ہی حاصل ہو جاتا ہے۔

حقیقت خوف: ناگوار طبع چیز کے خیال اور اس کے واقع ہونے کے اندیشے سے قلب کا دردناک ہونا۔

طریق تحصیل خوف: اللہ تعالی کے قہر وعذاب کو یاد کرے اور سوچا کرے۔

رجا کی حقیقت: محبوب چیزوں یعنی فضل ومغفرت اور نعمت وجنت کے انتظار میں قلب کو راحت پیدا ہونا، اور ان چیزوں کے حاصل کرنے کی تدبیر اور کوشش کرنا رجا ہے۔

طریق تحصیل رجا: اللہ تعالی کی وسعت رحمت اور عنایت کو یاد کرے اور سوچا کرے۔

زہد کی حقیقت: کسی رغبت کی چیز کو چھوڑ کر اس سے بہتر چیز کی طرف مائل ہونا، مثلاً دنیا کی رغبت علیحدہ کرکے آخرت کی رغبت کرنا زہد ہے۔

طریق تحصیل زہد: دنیا کے عیوب اور مضرتوں اور فنا ہونے کو اور آخرت کے منافع اور بقا کو یاد کرے اور سوچے۔

حقیقت توکل: صرف وکیل یعنی کارساز پر قلب کا اعتماد کرنا توکل ہے۔

طریق تحصیل توکل: اس کی عنایتوں اور وعدوں اور اپنی گذشتہ کامیابیوں کا یاد کرنا اور سوچنا۔

حقیقت قناعت: شہوت کا ترک کرنا۔

طریق تحصیل قناعت: مراقبہ فنائے عالم۔

حقیقت حلم: نفس کا ناگوار بات پر بھڑکنے سے رکنا۔

طریق تحصیل حلم: غصہ کا زائل کرنا، اور غصہ کے علاج کو بار بار سوچنا، جو کہ اخلاق رذیلہ کے بیان میں آ رہا ہے۔

حقیقت صبر: انسان کے اندر دو قوتیں ہیں: ایک دین پر ابھارتی ہے، دوسری نفسانی خواہشات پر، سو محرک دینی کو محرک خواہشات پر غالب کر دینا صبر ہے، اور اس کی حقیقت ہے "حَبْسُ النَّفْسِ عَلٰی مَا تَکْرَہُ" یعنی ناگوار بات پر نفس کو جمانا اور مستقل رکھنا، آپے سے باہر نہ ہونا۔

طریق تحصیل صبر: قوت ہوی یعنی خواہشات وجذبات نفسانی کو ضعیف وکمزور کرنا۔

شکر کی حقیقت: نعمت کو منعم حقیقی کی طرف سے سمجھنا، جس کا اثر منعم سے خوش ہونا اور تعمیل حکم میں سرگرمی کرنا ہے۔

طریق تحصیل شکر: حق تعالی کی نعمتوں کو سوچنا اور یاد کرنا، اور ہر نعمت کو اس کی طرف سے جاننا، اس سے رفتہ رفتہ حق تعالی کی محبت ہوگی اور شکر کا درجہ کاملہ نصیب ہوجائے گا۔

حقیقت صدق: جس مقام کو حاصل کرے کمال کو پہنچا دے کہ اس میں کسر نہ رہے۔

طریق تحصیل صدق: صدق ما بہ الکمال (جس سے کمال حاصل ہوجائے) کے جاننے پر موقوف ہے، لہٰذا ہمیشہ نگراں رہے، اگر کچھ کمی ہوجائے، اس کا تدارک کرے، اسی طرح چندروز میں کمال حاصل ہوجائے گا۔

حقیقت تفویض: اپنے کو خدا کے سپرد کردینا کہ وہ جو چاہیں تصرف کریں، اپنے لیے کوئی حالت تجویز نہ کرنا یعنی خدا کے سوا کسی پر نظر نہ رکھے، تدبیر کرے اور نتیجہ کو خدا کے سپرد کردے۔

طریق تحصیل تفویض: جب کوئی خلاف طبع ناگوار واقعہ پیش آوے، تو فوراً یہ سوچے کہ حق تعالی کا تصرف ہے، جس میں حکمت ضرور ہے، اور مصلحت ہے، ابتداء میں تکلف سے یہ بات حاصل ہوگی، پھر سوچتے رہنے سے تجویز کو فنا کرنا پڑتا ہے، اور پھر یہ حالت اہل اللہ کے لیے طبعی بن جاتی ہے۔

رضا کی حقیقت: قضا پر اعتراض نہ کرنا، نہ زبان سے نہ دل سے۔

طریق تحصیل رضا: یہ آثار محبت سے ہے، اس لیے اس کے واسطے جداگانہ طریق نہیں ہے، محبت کے ساتھ ہی رضا بھی حاصل ہو جاتی ہے۔

حقیقت فنا: افعال ذمیمہ وملکات رذیلہ وردیہ کا زائل ہوجانا، یعنی معاصی کا ترک ہوجانا اور قلب سے حب غیر اللہ، حرص، طول امل، کبر، عجب، ریا وغیرہ کا نکل جانا اور ملکہ یادداشت کا راسخ ہوجانا کہ غیر اللہ کے ساتھ تعلق عملی نہ رہے۔

طریق تحصیل فنا: مجاہدہ وکثرتِ ذکر لسانی وقلبی ہے۔

حقیقت فناء الفناء: اس فنا کا بھی علم بعض اوقات نہیں ہوتا، یہ فناء الفناء ہے، اس کو بقاء بھی کہتے ہیں، یعنی وہ بے خودی جو فنا کہلاتی تھی جاتی رہی، فنائے صفات بشریہ کو قرب نوافل، فناء ذات کو قرب فرائض بھی کہتے ہیں، یعنی جیسا التفاف اور استحضار غیر کا پہلے تھا وہ نہ رہا، غیر سے ذہول ہوگیا، پھر اس میں کسی کو سہو بھی ہوجاتا ہے، کسی پر سکر غالب ہوجاتا ہے، کوئی مجذوب محض ہوجاتا ہے، نیز فنا کے اضداد یعنی افعالِ حسنہ کا طبعی بن جانا اور اخلاق حمیدہ میں ملکہ رسوخ ہوجانا اس کو بقاء بھی کہتے ہیں۔

طریق تحصیل فناء الفناء: ذکر وفکر میں مداومت رکھنا۔

اخلاق رذیلہ

حقیقت حرص: مال وغیرہ کے ساتھ قلب کا مشغول ہونا۔

طریق علاج: خرچ کو گھٹائے تاکہ زیادہ آمدنی کی فکر نہ ہو، اور آئندہ کی فکر نہ کرے کہ کیا ہوگا، اور یہ سوچے کہ حریص وطامع ہمیشہ ذلیل رہتا ہے۔

حقیقت طمع: خلاف شریعت امور کو پسند کرنا، خواہش نفسانی اور حقیقت شہوت ہے، اس کا اعلی درجہ کفر وشرک ہے، وہ تو اسلام ہی سے خارج کردیتا ہے، اور جو ادنی درجہ ہے وہ کمال اتباع سے ڈگمگادیتا ہے، ہر طمع وخواہش نفسانی میں یہ خاصیت ہے کہ راہ مستقیم سے ہٹا دیتی ہے۔

علاج طمع: مجاہدہ کرنا، یعنی مخالفت نفس کی عادت ڈالے، تاکہ نفس کی جانی ومالی خواہشات ومرغوبات کو رضائے حق تعالی کے مقابلے میں مغلوب رکھا جاسکے، اور مجاہدہ نام ہے نفس کے تقاضوں کو روکنا بہ تکلف ہو یا بلا تکلف۔

حقیقت غصہ: خونِ قلب کا بدلہ لینے کے لیے جوش مارنا غصہ ہے۔

طریق علاج: یہ یاد کریں کہ اللہ تعالی کو مجھ پر زیادہ قدرت ہے، اور میں اس کی نافرمانی بھی کرتا ہوں، اگر وہ بھی مجھ سے یہی معاملہ

کرے تو کیا ہو، اور سوچیں کہ بدون ارادہ خداوندی کے کچھ واقع نہیں ہوتا، سو میں کیا چیز ہوں کہ مشیت الٰہی سے مزاحمت کروں۔

حقیقت دروغ: خلاف واقع بات کہنا کذب ہے، آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ جو بات سنے اسے بیان کردے، بلا تحقیق بات کو نقل کردے۔

علاج کذب: کلام میں احتیاط ہو، بدون سوچے کوئی کلام نہ کرے، استحضار قبل از وقت، ہمت درعین وقت، تدارک بعد الوقت، نیز اگر کوئی بات کبھی منھ سے خلاف شریعت نکل جائے تو فوراً خوب توبہ کرلے۔

حقیقت حسد: کسی شخص کی اچھی حالت کا ناگوار گزرنا اور یہ آرزو کرنا، کہ یہ اچھی حالت اس کی زائل ہوجائے، یہ حسد ہے۔

طریق علاج: گو بہ تکلف سہی، اس شخص کی خوب تعریف کیا کرو، اور اس کے ساتھ خوب احسان وسلوک اور تواضع سے پیش آ ؤ۔

حقیقت بخل: جس چیز کا خرچ کرنا شرعاً یا مروتاً ضروری ہو، اس میں تنگ دلی کرنا بخل ہے۔

طریق علاج: مال کی محبت کو دل سے نکالنا موت کو کثرت سے یاد کرکے۔

حقیقت ریا: اللہ تعالی کی اطاعت میں لوگوں کے نزدیک اپنی قدر ہونے کا قصد کرنا۔

طریق علاج: حب جاہ کو دل سے نکالیں، کیونکہ ریا اسی کا ایک شعبہ ہے، اور عبادت پوشیدہ کیا کریں یعنی جو عبادت کہ جماعت سے نہیں، اور جس عبادت کا اظہار ضروری ہے، اس کے اندر ازالہ ریا کے لیے ازالہ حب جاہ کافی ہے، اور طریق معالجے کا یہ ہے کہ جس عبادت میں ریا ہو، اس کو کثرت سے کریں، پھر نہ کوئی التفات کرے گا، نہ اس کو یہ خیال رہے گا، وہ چند روز میں ریا سے عادت پھر عادت سے عبادت اور اخلاص بن جائے گی۔

حقیقت عجب: اپنے کمال کو اپنی طرف منسوب کرنا اور اس کا خوف نہ ہونا کہ شاید سلب ہوجائے، یہ عجب ہے۔

طریق علاج: اس کمال کو عطائے خداوندی سمجھے، اور اس کی قدرت کو یاد کرکے ڈرے کہ شاید سلب ہوجاوے، دوسرا علاج یہ ہے کہ کامل کا اعلی درجہ پیش نظر رکھ کر غور سے اپنی لغزش اور کوتاہی ظاہری وباطنی دیکھے، تاکہ اپنی بزرگی اور کمال کا گمان پیدا نہ ہو۔

حقیقت کبر: اپنے آپ کو صفات کمال میں دوسرے سے بڑھ کر سمجھنا۔

علاج کبر: اللہ تعالی کی عظمت کو یاد کرے، تاکہ اپنے کمالات ہیچ نظر آویں اور جس شخص سے اپنے کو بہتر سمجھتا ہے، اس کے ساتھ تواضع اور تعظیم سے پیش آوے، تاکہ اس کا عادی ہوجائے۔

حقیقت کینہ: جب غصہ میں بدلہ لینے کی قوت نہیں ہوتی، تو اس کے ضبط کرنے سے اس شخص کی طرف سے دل پر ایک قسم کی گرانی کا ہوجانا۔

طریق علاج: جس شخص سے کینہ ہو، اس شخص کا قصور معاف کر دینا، اور اس سے میل جول شروع کردینا، گو بہ تکلف ہی ہو۔

حقیقت حب جاہ: لوگوں کے دلوں کے مسخر ہونے کی خواہش کرنا، تاکہ اس کی تعظیم اور اطاعت کریں۔

طریق علاج: یوں سوچے کہ نہ تعظیم واطاعت کرنے والے رہیں گے اور نہ میں رہوں گا، پھر ایسی موہوم اور فانی چیز پر خوش ہونا نادانی ہے۔

حقیقت حب دنیا: جس چیز میں فی الحال حظ نفس ہو، اور آخرت میں اس کا کوئی نیک ثمرہ مرتب نہ ہو، وہ دنیا ہے۔

طریق علاج: موت کو کثرت سے یاد کرتے رہنا، اور مدتوں کے لیے منصوبے اور سامان نہ کرنا اور نہ سوچنا۔

یہی وہ مقامات ہیں جو منتہائے سلوک ہیں، اس سے نقد حال "مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا" (یعنی مرنے سے پہلے اپنے اندر مرنے والوں کے اوصاف پیدا کرو) کے معنی حاصل ہوجاتے ہیں۔

﴿بقیہ............صفحہ ۱۲ر پر﴾

ایمان کی باد بہاری

امریکہ میں ایک خاتون ڈاکٹر کا قبول اسلام

محترمہ ام سفیان

امریکہ کی اس نوجوان ڈاکٹر نے ترجمہ قرآن پاک کا ناقدانہ نظر سے مطالعہ کیا ہے، دوران مطالعہ وہ اس کے اندر (مغرب کی مزعومہ) غلطیاں ڈھونڈتی تھی لیکن اس وقت اس کی حیرت کی کوئی انتہاء نہ رہی جب اسے اس لازوال کتاب میں اپنے ہر اس سوال کا تشفی اور تسلی بخش جواب مل گیا جو بچپن ہی سے اس کے ذہن ودماغ میں گردش کیا کرتے تھے، اس کا نتیجہ ہوا کہ چند ماہ بعد ہی اس نے اپنے قبول اسلام کا اعلان کردیا اور اب اس کا اسلامی نام ''ماریہ'' ہے۔

۲۵ رسال کی جواں سال امریکن ڈاکٹر اپنی سرگزشت آپ ہی بیان کرتے ہوئے کہتی ہے کہ امریکہ کے صوبہ کلیولینڈ میں میری پرورش ایک دیندار متشدد کیتھولک گھرانے میں ہوئی، علم النفس میں میں نے B.A کی ڈگری حاصل کی، اس کے بعد میں نے میڈیکل کالج میں داخلہ لیا، جہاں اس وقت میں M.A کا مقالہ تیار کررہی ہوں، مگر میں نے اپنے عقائد اور افکار وخیالات سے مطمئن نہیں تھی، مجھے ہمیشہ ایک مبہم سا انجانا کرب واضطراب ستا تا رہا ہے، اور ''تثلیث'' کی ماہیت و حقیقت کے متعلق میرے ذہن میں طرح طرح کے سوالات اٹھتے رہتے، مزید برآں کیتھولک، پروٹسٹنٹ اور آرتھوڈکس فرقوں میں بٹ کر نصرانیت ومسیحیت کا تصور کیوں مختلف ہوجاتا ہے؟ اور ہر ایک کے اندر اس کا ایک خاص مفہوم کیوں متعین ہوجاتا ہے؟ میرا ایمان تو صرف ایک اللہ پر تھا، غلطی وسچائی اور حق وناحق کے درمیان میں امتیاز کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی، مگر اسلام کے متعلق سنجیدگی سے اس زاویہ نظر سے کبھی نہیں سوچا کہ یہ بھی کوئی قابل قبول اور قابل تقلید دین ومذہب ہے، اسلام کے متعلق میرا جو کچھ تصور تھا وہ صرف یہ تھا کہ وہ یرغمالیوں اور جنگوں اور دہشت گردی وتشدد پسندی، انتہا پرستی وبنیاد پرستی کا دین ہے اور یہ کہ مسلمان قتل وخونریزی، ظلم وسفا کی کی خوگر ایک وحشی قوم ہے۔

ماریہ مزید کہتی ہیں ''میرے قبول اسلام کی کہانی اس وقت شروع ہوئی جب میں نے یونیورسٹی میں داخلہ اور ترجمہ قرآن پاک کا تنقیدی نگاہ سے مطالعہ شروع کیا تاکہ مجھے یہ معلوم ہوسکے کہ آیا یہ حق ہے یا باطل؟ لیکن اس وقت میں حیرت ومسرت کے ملے جلے جذبات میں ڈوب کر رہ گئی، جب میں نے دیکھا کہ اسلام کا عقیدہ تو نہایت واضح، روشن اور صاف ستھرا ہے اور اس کے اندر خدا کا جو تصور ہے وہ بھی بے غبار ہے، یعنی ''انما ھوا لہ واحد'' تمہارا معبود صرف ایک معبود ہے۔

مطالعہ کے بعد مجھے ایک طرح کی ذہنی آسودگی اور قلبی وذہنی سکون حاصل ہوا اور جو سوالات میرے حاشیہ ذہن پر گردش کررہے تھے، قرآن میں مجھے ہر ایک کا تسلی بخش جواب مل گیا، اس کے بعد تو میں نے قرآن پاک او ردیگر اسلامی موضوعات کے مطالعہ کو اپنا محبوب مشغلہ بنالیا اور اسلام کو گہرائی سے سمجھنے کے لئے اچھی طرح مطالعہ کیا، چنانچہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مقدس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سیرت اور اسلامی تاریخ کا بھی مطالعہ کیا، اسلام نے صنف نازک کو جو مقام ومرتبہ اور حقوق صدیوں سے دے رکھے ہیں، اس نے میری نگاہوں کو خیرہ کردیا، جب کہ امریکہ میں عورتوں کو اپنے حقوق کی بازیابی اور برابری کے مطالبے کی تاریخ چند سالوں سے زیادہ

نہیں۔

اس کے بعد دوسرا قدم میں نے یہ اٹھایا کہ مسلم مردوں، عورتوں اور ان کے عائلی وخانگی زندگی کا تجزیہ کرنا شروع کیا اور امریکہ کی اوران کی معاشرتی واجتماعی زندگی کا تقابل وموازنہ کیا اور یہ بھی میری خوش قسمتی ہے کہ حسن اتفاق سے میری ملاقات بعض دیندار اور شریف مسلم گھرانوں سے ہوئی، ان کے طریقہ زندگی، طرز معاشرت، خانگی آداب، بچوں کی نگہداشت اوران کے ساتھ شفقت ومحبت کا برتاؤ دیکھ کر میں مسحور ہوئی، میں نے دیکھا کہ میاں بیوی آپس میں ایک دوسرے سے پیار ومحبت کا معاملہ کرتے ہیں اور ہر ایک دوسرے کے تئیں اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرتا ہے اوراس کا بالمقابل جو بھی کام کرتا ہے اسے قدر واحترام کی نظر سے دیکھتا ہے اور یہ وہ بات ہے جو امریکہ کے بیشتر گھرانوں میں عنقا ہے۔

سوال: آپ یہ بتائیں کہ اسلام میں عورتوں کے ساتھ جو احکام مخصوص ہیں، ان میں کون سا حکم آپ کو سب سے زیادہ پسند آیا؟

جواب: حجاب، کیونکہ مجھے مکمل یقین اور اطمینان ہے کہ عورت کا اپنے جسم کو ڈھکا رکھنا اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ مردوں سے کمتر ہے، بلکہ یہ اس کے تحفظ اور احترام واکرام کا خاص حق ہے، اس طرح اسلام مطلقہ عورتوں کو خاص مدت تک نفقہ دیتا ہے، اور مزید اسے شوہر کے گھر میں رہنے کی اجازت بھی دیتا ہے، اگر امریکہ میں ایسا ہوتا تو ہزاروں مطلقہ عورتیں یوں بے گھر دربدر ماری ماری نہ پھرتی، پھر یہ کہ اسلام نے عورتوں کی اصلی ذمہ داریوں کی بھی وضاحت کے ساتھ تحدید کی ہے، مثلاً یہ کہ وہ اپنے گھر اور بال بچوں کی نگہداشت کرے، کیونکہ بچوں کی تعلیم وتربیت کے لئے وقت دینا دراصل تہذیب وتمدن کی تعمیر وترقی کے مترادف ہے، بصورت دیگر بچے شتر بے مہار کی طرح بلا کسی تربیت کے پرورش پائیں جیسا کہ آج کل امریکہ میں عام طور سے دیکھنے کو ملتا ہے

سوال: آپ کے خیال میں ہم امریکہ کے معاشرہ میں کس طرح اسلامی دعوت دے سکتے ہیں؟

جواب: امریکیوں کے نزدیک اسلام کا تصور نہایت ہی گھناؤنا اور مسخ شدہ ہے، جو بہت حد تک سیاست سے جڑا ہوا ہے، ذہنی طور سے وہ اسلام کو ایک جنگجو اور لڑاکو مذہب گردانتے ہیں، جو ہمیشہ آمادہ قتل وخونریزی اور آمادہ دہشت وبربریت ہوتا ہے، چنانچہ وہ کبھی بھی اسلام کو ایک نظام حیات کے طور پر نہیں دیکھتے، اس لئے ہمارے لئے سب سے زیادہ جو ضروری ہے وہ یہ کہ ہم انہیں اسلام کا ہر زاویہ سے تعارف کرائیں اور انہیں یہ بتائیں کہ اسلام ایک مکمل ہمہ گیر نظام حیات ہے اور ان کے سامنے عملی زندگی میں اچھا نمونہ پیش کریں اور ہم تمام مسلمان اپنے خاندانوں کی عمارتیں اسلامی اصولوں کی بنیادوں پر استوار کریں۔

(سالانہ میگزین آگہی، غازیپور)

❁❁❁❁

ممکن ہے میری مغفرت ہوجائے

امام جوزی نے ساری زندگی کتابوں کے لکھنے میں گزاردی اور ہزاروں سے بھی زیادہ مختلف موضوعات پر کتابیں لکھیں، بعض کتابیں ایسی ہیں جو ضخیم اور کئی کئی جلدوں میں ہیں۔

اس زمانے میں آج جیسے قلم موجود نہیں تھے، پورے اور لکڑی کے قلم تھے جس کو تراش کر لکھا جاتا تھا قلموں کے تراشے کو جمع کرنے کا حکم انہوں نے اپنے خادم کو دیدیا تھا اور تاکید کردی تھی کہ ایک چھلکا بھی ضائع نہ ہونے پائے، تراشے اکٹھا کئے جاتے رہے، بالآخر جمع کرتے کرتے کوٹھری بھر گئی، ابن جوزی نے وصیت کی کہ میرے انتقال کے بعد میرے غسل کے واسطے پانی اسی اندوختہ تراشے سے گرم کیا جائے، ممکن ہے اس کوشش کے طفیل میں اللہ تعالی میری مغفرت فرمادے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

❁❁❁❁

عبادالرحمن

رحمٰن کے بندے

مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری

خالق کائنات نے تمام چیزوں اور تمام انسانوں کو پیدا فرمایا ہے، اور تمام ہی انسان اللہ تعالی کے بندے ہیں، مگر کچھ خوش نصیب بندے ایسے بھی ہیں جن پر اللہ تعالی کی خصوصی رحمتیں سایہ فگن رہتی ہیں، اور آخرت میں ان کے لئے عمدہ قسم کے بالاخانے اور طرح طرح کی نعمتیں ہیں، فرشتے ان کو سلام اور مبارکباد پیش کریں گے، ان کا لقب ہے عبادالرحمٰن۔

اللہ وحدہ لاشریک نے اپنے کلام پاک کی سورۂ فرقان میں اپنے ان مخصوص اور مقبول بندوں کا ذکر فرمایا ہے جن کا توحید ورسالت پر ایمان بھی مکمل ہے، اوران کے عقائد، اعمال، اخلاق، عادات تمام ہی اللہ تعالی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے تابع اور احکام شرعیہ کے مطابق ہیں، کلام الٰہی میں ان کی بارہ صفات بیان کی گئیں ہیں۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے "وعباد الرحمن" عباد: عبد کی جمع ہے، عبد کے معنی بندہ جو اپنے آقا کا مملوک ہو، اس کا وجود اس کے تمام اختیارات اور اعمال آقا کے حکم اور مرضی کے مطابق صادر ہوتے ہیں۔

اللہ تعالی کا ان مخصوص ومقبول بندوں کا اپنے بندے فرما کر ان کو اعزازی لقب دینا ہے، مگر اپنی طرف نسبت کرنے کے لئے اللہ تعالی کے سب اسماء حسنی اور صفات کمالیہ میں سے اس جگہ لفظ ''رحمان'' کا انتخاب شاید اس لئے کیا گیا کہ مقبول بندوں کی عادات وصفات اللہ تعالی کی صفت رحمانیت کی ترجمان اور مظہر ہونی چاہئیں اس کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔

عبادالرحمن کی پہلی صفت تواضع:

"الذین یمشون علی الارض ھونا" وہ اللہ تعالی کے ایسے خاص بندے ہیں جب زمین پر چلتے ہیں تو انتہائی عاجزی اور انکساری کے ساتھ دبے پاؤں چلتے ہیں، ان کے مزاج کے تمام امور میں تواضع ہے، ان کی چال ڈھال سے متانت خاکساری اور بے تکلفی ٹپکتی ہے، متکبروں کی طرح زمین پر اکڑ کر نہیں چلتے، آیت مبارکہ میں بہت آہستہ چلنا مراد نہیں کیونکہ وہ بلاضرورت ہو تو خلاف سنت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چلنے کی جو صفت شمائل نبویہ میں منقول ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا چلنا بہت آہستہ نہیں بلکہ کسی قدر تیزی کے ساتھ تھا، حدیث شریف میں ہے "کأنما الارض تطوی به" یعنی آپ ایسے چلتے تھے کہ گویا زمین آپ کے لئے سمٹتی ہے۔ (ابن کثیر)

اسی لئے سلف صالحین نے بتکلّف مریضوں کی طرح آہستہ چلنے کو علامت تکبر وتصنع ہونے کے سبب مکروہ قرار دیا ہے، حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ بہت آہستہ چل رہا ہے، پوچھا کیا تم بیمار ہو؟ اس نے کہا نہیں، تو آپ نے اس پر درہ اٹھایا اور حکم دیا کہ قوت کے ساتھ چلا کرو۔ (ابن کثیر)

آیت میں "ھونا" فرمایا ہے: ھون کا مفہوم سکینت ووقار اور تواضع ہے، اکڑ کر چلنے کو تکبر کی چال کہتے ہیں، اللہ تعالی کا ارشاد ہے "ولا تمش فی الارض مرحا انك لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولاً"۔ (سورہ بنی اسرائیل رکوع ۴)

اور مت چل زمین پر اتراتا ہوا، تو پھاڑ نہ ڈالے گا زمین کو اور نہ پہنچے گا پہاڑوں تک لمبا ہو کر یعنی متکبروں کی چال چلنا انسان کے لئے زیبا نہیں، نہ تو زور سے پاؤں مار کر وہ زمین کو پھاڑ سکتا ہے، نہ گردن ابھارنے اور سینہ تاننے سے اونچا ہو کر پہاڑوں کے برابر ہو سکتا ہے، پھر اکڑنے سے کیا فائدہ۔

عبادالرحمن کی دوسری صفت جاھلوں سے بچنا:

”واذاخاطبھم الجاھلون قالوا سلاما“ اور جب بات کرنے لگیں ان سے بے سمجھ لوگ تو کہیں صاحب سلامت یعنی کم عقل اور بے ادب لوگوں کی بات کا جواب عفو ودرگزر سے دیتے ہیں، جب کوئی جہالت کی گفتگو کرے تو ملائم بات اور صاحب سلامت کہہ کر الگ ہو جاتے ہیں، ایسوں سے منہ نہیں لگتے، اللہ تعالی نے نیک بندوں کے لغو اور نکمی باتوں سے کنارہ کشی اختیار کرنے کو بیان فرمایا ہے: واذا سمعوا اللغوا اعرضوا عنه وقالوا لنا اعمالنا ولكم اعمالكم لانبتغی الجاھلین“۔(سورہ قصص رکوع ۹)

اور جب سنیں نکمی باتیں اس سے کنارہ کریں اور کہیں ہم کو ہمارے کام اور تم کو تمہارے کام، سلامت رہو ہم کو نہیں چاہئیں بے سمجھ لوگ ۔(ترجمہ حضرت شیخ الہند)

یعنی کوئی جاہل لغو بیہودہ بات کہے تو اس سے الجھتے نہیں، کہہ دیتے ہیں کہ بس صاحب تمہاری باتوں کو ہمارا دور سے سلام یہ جہالت کی پوٹ تم ہی رکھو، ہم کو ہمارے مشغلہ میں رہنے دو، تمہارا کیا تمہارے اور ہمارا کیا ہمارے سامنے آجائے گا، ہم کو تم جیسے بے سمجھ لوگوں سے الجھنے کی ضرورت نہیں۔

محمد بن اسحاق نے سیرت میں لکھا ہے کہ قیام مکہ کے زمانہ میں تقریباً بیس اشخاص حبشہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر سن کر آئے کہ تحقیق کریں کیسے شخص ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پڑھ کر سنایا، ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور بڑے زور سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی، جب مشرف بایمان ہو کر واپس ہونے لگے تو ابوجہل وغیرہ مشرکین نے ان پر آوازے کسے کہ ایسے احمقوں کا قافلہ آج تک کہیں نہیں دیکھا ہوگا، جو ایک شخص کی تحقیق حال کرنے آئے تھے اور اس کے غلام بن کر اور اپنا دین چھوڑ کر جارہے ہیں، انہوں نے کہا بس ہم تم کو سلام کرتے ہیں، معاف رکھو ہم تمہاری جہالت کا جواب جہالت سے دینا نہیں چاہتے، ہم اور تم میں سے جو جس حال پر ہے اس کا وہی حصہ ہے، ہم نے اپنے نفس کا بھلا چاہنے میں کچھ کوتاہی نہیں کی، اسی کے متعلق یہ آیات نازل ہوئی ہیں۔

عبادالرحمن کی تیسری صفت سربسجود ھوکر رات گزارنا:

”والذین یبیتون لربھم سجدا وقیاماً“ اور وہ لوگ جو رات کاٹتے ہیں اپنے رب کے آگے سجدہ میں اور کھڑے یعنی رات کو جب غافل بندے نینداور آرام کے مزے لوٹتے ہیں، یہ اللہ تعالی کے آگے کھڑے اور سجدے میں پڑے ہوئے گزارتے ہیں۔

عبادت میں شب بیداری اللہ تعالی کی بڑی نعمت ہے، رات کا وقت سونے اور آرام کرنے کا ہوتا ہے، انسان کی طبیعت آرام کرنے پر مائل رہتی ہے، اب جو انسان اپنی طبیعت کے خلاف اپنے رب کے سامنے سربسجود رہتا ہو اور تہجد کی نماز میں لمبی لمبی قرأتوں کے ساتھ دیر تک کھڑا رہتا ہو اور سجدہ کی حالت میں اپنے رب کے سامنے گریہ وزاری میں مشغول رہتا ہو اس کو ان مشقتوں اور قربانیوں کی وجہ سے اللہ تعالی کی طرف سے مقام عبدیت کا پروانہ ملتا ہے۔

رات کے آخر حصہ میں تہجد کی نماز پڑھنا، ذکر کرنا، دعائیں مانگنا بڑی خوش نصیبی ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب رات کا بڑا حصہ گزرجائے، یا دوثلث گزرجائے، تو اللہ تعالی آسمان دنیا پر اتر کر فرماتے ہیں کہ ”ہے کوئی مانگنے والا تا کہ اس کو عطا کیا جائے، ہے کوئی دعا کرنے والا کہ اس کی دعا قبول کی جائے، ہے کوئی گناہوں سے معافی چاہنے والا کہ اس کی مغفرت کردی جائے“ یہ سلسلہ صبح ہوجانے تک جاری رہتا ہے۔(مسلم شریف)

عبادالرحمن کی چوتھی صفت خوف آخرت:

”والذین یقولون ربنا اصرف عنا عذاب جھنم ان عذابھا کان غراماً انھا ساء ت مستقرا ومقاما“ اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ اے رب! ہٹا ہم سے دوزخ کا عذاب، بیشک اس کا عذاب چمٹنے والا ہے، اور وہ بری جگہ ہے ٹھہرنے کی اور بری جگہ ہے رہنے کی، یعنی اتنی عبادت پر اتنا خوف بھی ہے، یہ نہیں کہ تہجد کی آٹھ رکعات پڑھ کر خدا

کے عذاب وقہر سے بے فکر ہو گئے۔

خوف خدا سے امن کا پروانہ:

جو شخص دنیا میں اپنے آپ کو خوف آخرت اور فکر آخرت کا عادی بنالیتا ہے، اور اسے ہر وقت آخرت کی دھن رہتی ہے، اور عذاب الٰہی کا ڈر اور جنت کا شوق اسے بے چین رکھتا ہے، اور رات دن اللہ تعالیٰ سے اس بات کی دعا کرنے میں مصروف رہتا ہے کہ اے اللہ جہنم کا عذاب بہت سخت ہے، تو میرے گناہوں کی مغفرت فرما اور عذاب جہنم سے بچالے، اور جنت کی بے مثال نعمتوں سے بہرہ ور فرمادے، ایسے بندوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارتیں نازل ہوئی ہیں اور یہی عبادالرحمٰن کی خاص صفت ہے۔

خوف خدا سے گناہ کا جھڑنا:

حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب خوف خدا کی وجہ سے بندے کے بدن میں لرزہ پیدا ہوتا ہے تو اس سے اس کے گناہ اسی طرح جھڑ جاتے ہیں جس طریقہ سے خشک درخت سے اس کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔ (مجمع الزوائد)

خوف خدا سے آنسو کیوجہ سے جھنم حرام:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی بھی مومن بندہ ایسا نہیں ہے جس کی آنکھوں سے خوف خدا کی وجہ سے آنسو نکلے، اگرچہ مکھی کے سر کے برابر ہی کیوں نہ ہو، پھر آنسو کے قطرہ کا کچھ حصہ اس کے چہرہ کے کسی حصہ پر پہنچ جائے مگر اللہ تعالیٰ اس کے اوپر جہنم کو حرام کردیتے ہیں۔

عبادالرحمن کی پانچویں صفت خرچ کرنے میں اعتدال:

"والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذلک قواماً" اور وہ لوگ کہ جب خرچ کرنے لگیں نہ بے جا اڑائیں اور نہ تنگی کریں اور ہے اس کے بیچ ایک سیدھی گزران، یعنی موقع دیکھ بھال کر میانہ روی کے ساتھ خرچ کرتے ہیں، نہ مال کی محبت، نہ اس کی اضاعت اللہ تعالیٰ کے مقبول اور مخصوص بندے جن کو عبدیت کا مقام حاصل ہے، وہ خرچ کرتے وقت بھی اللہ کا خوف کرتے ہیں، وہ نہ اسراف وفضول خرچی کے ذریعہ اپنے مال کو بے جا اڑاتے ہیں اور نہ بخل اور تنگی کا راستہ اختیار کرتے ہیں بلکہ دونوں کے درمیان اعتدال اور میانہ روی پر قائم رہتے ہیں۔

اسراف کی مذمت:

"ولاتبذر تبذیراً ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین وکان الشیطان لربه کفوراً"۔ (سورہ اسراء رکوع ۳)

اور مت اڑا بے جا بیشک اڑانے والے بھائی ہیں شیطانوں کے اور شیطان اپنے رب کا ناشکرہ ہے، یعنی قرابت والوں کے مالی واخلاقی ہر قسم کے حقوق ادا کرو، محتاج ومسافر کی خبرگیری رکھو اور خدا تعالیٰ کا دیا ہوا مال فضول بے موقع مت اڑاؤ، فضول خرچی یہ ہے کہ معاصی اور لغویات میں خرچ کیا جائے، یا مباحات میں بے سوچے سمجھے اتنا خرچ کردے جو آگے چل کر حقوق کے تلف ہونے اور ارتکاب حرام کا سبب بنے، دراصل مال اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، جس سے عبادات میں دلجمعی ہوتی ہے اور بہت سی اسلامی خدمات اور نیکیاں کمانے کا موقع ملتا ہے، اس کو بے جا اڑانا ناشکری ہے، جو شیطان کی تحریک سے وقوع میں آتی ہے، اور آدمی ناشکری کرکے شیطان کے مشابہ ہوجاتا ہے۔

بخل اور کنجوسی کی مذمت:

عبادالرحمٰن کی خاص صفت یہ بھی ہے کہ آدمی بخل اور کنجوسی سے کنارہ کش ہوجائے، بخل اور کنجوسی کے لئے اللہ تعالیٰ نے "ولم یقتروا" فرمایا ہے "قتر" کے معنی خرچ میں تنگی اور بخل کرنے کے ہیں۔

سخی اور بخیل کے لئے فرشتوں کی دعاء:

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی بھی دن ایسا نہیں گزرتا جس میں اللہ کے بندے صبح کرتے ہوں، مگر دو فرشتے ضرور اترتے ہیں، پھر ایک فرشتہ دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! (تیری مرضی پر) خرچ کرنے والے سخی کو اس کا بدل عطا فرما اور دوسرا فرشتہ دعا کرتا ہے کہ اے اللہ بخیل کا مال برباد فرمادے۔

عبادالرحمن کی چھٹی صفت توحید:

"والـذیـن لایدعون مع اللّٰہ الھا آخر" وہ لوگ کہ نہیں پکارتے اللہ کے ساتھ دوسرے حاکم کو یعنی اللہ کے یہ بندے اللہ کے ساتھ کسی کو عبادت میں شریک نہیں کرتے اور کسی اور کو معبود بنا کر اس کی پرستش نہیں کرتے اور شرک ہی سب سے بڑا عظیم ترین گناہ ہے، پہلی پانچ صفات میں طاعت وفرمانبرداری کے اصول آ گئے ہیں، اب معصیت ونافرمانی کے اصول کا بیان ہے، جن میں پہلی چیز عقیدہ سے متعلق ہے کہ یہ لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور کو عبادت میں شریک نہیں کرتے۔

عبادالرحمن کی ساتویں صفت قتل ناحق سے بچنا:

"ولایـقتـلـون الـنـفس التی حرم اللّٰہ الا بالحق" اور نہیں خون کرتے جان کا جو منع کردی اللہ نے مگر جہاں چاہئے، عبادالرحمٰن یعنی اللہ کے نیک بندے جن کی تعریف اللہ نے خود فرمائی ہے انکی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ کسی کو ناحق قتل نہیں کرتے "قتل"، عملی گناہوں میں سب سے بڑا گناہ ہے، البتہ تین قسم کے لوگوں کا خون بہانا جائز ہے:

(۱) شادی شدہ زنا کرنے والا انسان (غیر شادی شدہ زنا کار پر سو کوڑے مارنے کا حکم ہے)۔

(۲) کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرنے والا انسان۔

(۳) دین اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو کر نکل جانے والا۔

یہ تینوں صورتیں "الا بالحق" میں شامل ہیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی مسلمان کو قتل کرنا حلال نہیں، مگر تین گناہوں میں سے کسی ایک گناہ کی وجہ سے: (۱) شادی شدہ زانی، اس کو سنگسار کردیا جائیگا (۲) وہ آدمی جس نے کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کردیا ہو (۳) وہ شخص جو اسلام سے نکل کر مرتد ہو کر اللہ اور رسول سے جنگ کے لئے برسر پیکار ہو تو اس کو قتل کردیا جائے گا، یا سولی پر چڑھا دیا جائے گا، یا ملک بدر کردیا جائے گا۔ (بخاری، مسلم ونسائی)

حدیث شریف میں ہے کہ ساری مخلوق اگر ایک مومن کے قتل میں شریک ہو تو سبھی مستحق عذاب ہیں۔

عبادالرحمن کی آٹھویں صفت زنا سے بچنا:

"ولایزنون" اور بدکاری نہیں کرتے، عبادالرحمٰن کی آٹھویں صفت یہ ہے کہ اللہ تعالی کے وہ نیک بندے زنا جیسے فعل شنیع کا ارتکاب کر کے دنیا وآخرت میں اپنا منہ کالا نہیں کرتے۔

شرک، قتل مسلم، زنا، بڑے گناہ ہیں، ان کا مرتکب بڑا گنہ گار ہے، اللہ تعالی فرماتے ہیں "ومـن یفعل ذلك یلق اثاماً" اور جو کوئی کرے یہ کام وہ جا پڑا گناہ میں یعنی بڑا سخت گناہ کیا، جس کی سزا مل کر رہے گی، بعض روایات میں آیا ہے کہ آثام جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جس میں بہت ہی ہولناک عذاب بیان کئے گئے ہیں (اللہ اس سے بچائے)۔

جرائم مذکورہ پرعذاب کا بیان:

یـضـعف لـہ العذاب یوم القیامۃ ویخلد فیہ مھانا" دونا ہوگا اس کو عذاب قیامت کے دن اور پڑا رہے گا اس میں خوار ہو کر، آیات کے سباق وسیاق سے یہ بات متعین ہے کہ یہ عذاب کفار کے لئے مخصوص ہے، جنہوں نے شرک وکفر بھی کیا اور اس کے ساتھ قتل وزنا میں بھی مبتلا ہوئے، اس لئے کہ مومنین کے لئے ایک گناہ پر ایک ہی سزا کا وعدہ قرآن وحدیث میں بیان کیا گیا ہے، اور کوئی مومن ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں نہیں رہے گا، کتنا ہی بڑا گنہ گار ہو اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد جہنم سے نکال لیا جائے گا۔

گناہوں سے معافی کا نسخہ:

"الا من تاب وآمن وعمل عملاً صالحاً فاولئك یبدل اللّٰہ سیـأتھـم حسنات وکان اللّٰہ غفورا رحیماً" مگر جس نے توبہ کی اور یقین لایا اور کیا کچھ کام نیک، سو ان کو بدل دے گا اللہ برائیوں کی جگہ بھلائیاں اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان۔

اللہ تعالی فرما رہے ہیں کہ ایسے سخت مجرم جن کا عذاب یہ مذکور ہوا، اگر وہ توبہ کرلیں اور نیک عمل کرنے لگیں تو اللہ تعالی ان کی سیئات کو حسنات سے تبدیل فرمادیں گے، مطلب یہ ہے کہ اس کی توبہ کے

بعد ان کے اعمال نامہ میں حسنات ہی حسنات رہ جائیں گی، کیونکہ کفر وشرک سے توبہ کرنے پر اللہ تعالی کا وعدہ ہے کہ بحالت شرک وکفر کے تمام گناہ اسلام اور ایمان قبول کرنے سے معاف ہوجاتے ہیں۔

عبادالرحمن کی نویں صفت جھوٹی گواھی سے بچنا:

" والذین لایشھدون الزور" اور جولوگ شامل نہیں ہوتے جھوٹے کام میں، یعنی جن کو عبادالرحمٰن کا لقب ملا ہے وہ لوگ جھوٹ اور باطل کی مجلسوں میں شریک نہیں ہوتے، نہ جھوٹ بولتے ہیں نہ جھوٹی شہادت دیتے ہیں۔

عبادالرحمن کی دسویں صفت لغو اور بیھودہ مجلسوں کے پاس سے سنجیدگی سے گزرجانا:

"واذا مروا باللغو مروا کراماً" اور جب گزرتے ہیں کھیل کی باتوں پر نکل جائیں بزرگانہ یعنی جن کو اللہ تعالی نے محبوبیت کا درجہ دیکر عبادالرحمٰن کا لقب عطا فرمایا ہے وہ لوگ جب خرافات کی مجلسوں سے گزرتے ہیں تو انتہائی متانت اور سنجیدگی سے گزر جاتے ہیں نہ کھیل کی باتوں کی طرف دھیان کرتے ہیں نہ ان میں شامل ہوتے ہیں نہ ان سے لڑتے ہیں۔

عبادالرحمن کی گیارھویں صفت آیات کو دھیان سے سننا:

"والذین اذا ذکروا بآیات ربھم لم یخروا علیھا صما وعمیانا" اور وہ لوگ کہ جب ان کو سمجھایئے ان کے رب کی باتیں نہ پڑیں ان پر بہرے اندھے ہوکر، یعنی نہایت فکر وتدبر اور دھیان سے سنتے ہیں، اور سن کر متاثر ہوتے ہیں، مشرکین کی طرح پتھر کی مورتیاں نہیں بنتے۔

عبادالرحمن کی بارھویں صفت اھل وعیال کیلئے دعا کرنا:

" والذین یقولون ربنا ھب لنا من ازواجنا وذریاتنا قرة اعین واجعلنا للمتقین اماما" اور وہ لوگ جو کہتے ہیں اے رب دے ہم کو ہماری عورتوں کی طرف سے اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک اور کر ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا یعنی بیوی بچے ایسے عنایت فرما جنہیں دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی اور قلب مسرور ہو، ظاہر ہے کہ مومن کامل کا دل اسی وقت ٹھنڈا ہوگا جب اپنے اہل وعیال کو طاعت الٰہی کے راستہ پر گامزن اور علم نافع کی تحصیل میں مشغول پائے، دنیا کی سب نعمتیں اور مسرتیں اس کے بعد ہیں۔

"واجعلناللمتقین اماما" کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں ایسا بنادے کہ لوگ ہمارا اقتدا کرکے متقی بن جائیں، یعنی ہم خود بھی ہدایت یافتہ ہوں اور دوسروں کے لئے بھی ہادی ہوں اور ہمارا خاندان تقوی وطہارت میں ہماری پیروی کرے، یہاں اس دعا سے اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ کے مقبول بندے صرف اپنے نفس کی اصلاح اور اعمال صالحہ پر قناعت نہیں کر لیتے بلکہ اپنی اولاد اور بیبیوں کی بھی اصلاح اعمال واخلاق کی فکر کرتے ہیں۔

عبادالرحمن مقبول بندوں کے لئے اللہ کا وعدہ:

" اولئك یجزون الغرفة بما صبروا ویلقون فیھا تحیة وسلاما خالدین فیھا حسنت مستقرا ومقاما" ان کو بدلہ ملے گا کوٹھوں کے جھروکے اسلئے کہ وہ ثابت قدم رہے اور لینے آئیں گے ان کو وہاں دعا اور سلام کہتے ہوئے، سدا رہا کریں گے ان میں، خوب جگہ ہے ٹھہرنے کی اور خوب جگہ ہے رہنے کی۔

اللہ تعالی نے اپنے مقبول بندوں جن کو عبادالرحمٰن کا لقب عطا فرمایا ہے ان کی بارہ صفت بیان کرنے کے بعد ان نعمتوں کو بیان فرما دیا ہے جو آخرت میں ملیں گی، چنانچہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ یہی وہ خوش نصیب اور مقبول بارگاہ بندے ہیں جن کو جنت میں بے مثال بالا خانے عطا کئے جائیں گے، اور وہ بالا خانے بھی ایسے ہوں گے جو عام اہل جنت کو اس طرح نظر آئیں گے، جیسے زمین والے ستاروں کو سر اٹھا کر دیکھتے ہیں۔

عبادالرحمن کا اعزاز:

اللہ تعالی کے وہ مقبول بندے جن کو عبادالرحمٰن کا لقب اور منصب دیا گیا ہے، ان کو جنت کی دوسری نعمتوں کے ساتھ یہ اعزاز بھی حاصل ہوگا کہ فرشتے ان کو سلام کرتے ہوئے اور دعائیں دیتے ہوئے مبارک باد پیش کریں گے، اور وہ اس میں مستقل ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ تعالی ہم کو بھی یہ نعمت نصیب فرمائے، آمین۔

تبصرے

نئی کتابوں پر تبصرہ

محمد مسعود عزیزی ندوی

نام کتاب: معاشرتی حقوق وآداب
ساس بہواور میاں بیوی کے جھگڑوں کا حل
مؤلف: مولانا محمد صادق حبیبی مظاہری معروفی
صفحات: ۳۰۴/
ناشر: شعبہ نشر واشاعت جامعۃ الکوثر جندل نگر، غازی آباد

پیش نظر کتاب مولانا محمد صادق حبیبی مظاہری کی اصلاح معاشرے کے سلسلہ کی ایک اہم شاہکار کڑی ہے، اس میں جس موضوع کا موصوف نے انتخاب کیا ہے، یہ آج کل بہت ہی اہم اور ضروری موضوع ہے، اگر اس موضوع کو پڑھ کر، سن کر، دھیان دیا جائے، توجہ کی جائے اور اس کے مطابق گھروں میں تربیت کا طریقہ اختیار کیا جائے، تو رات دن پیش آنے والے بہت سے مسائل آسانی سے حل ہو سکتے ہیں، اس لئے تمام قارئین کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ اس کتاب کو حاصل کر کے خود پڑھیں، دوستوں کو ہدیہ میں پیش کریں، رشتہ داروں میں تقسیم کریں، تاکہ اس کی برکت سے وہ خرابیاں جو گھروں میں، سماج میں، معاشرے میں پنپ رہی ہیں، جن کی بنا پر بعض مرتبہ یا تو عورت یعنی بیوی پر ظلم ہوتا ہے، یا ماں کے حقوق پامال ہوتے ہیں، اور بعض مرتبہ افراط وتفریط کا ماحول بن جاتا ہے، اور حق، ناحق اور ناحق، حق بن جاتا ہے، دلائل اور وسائل کی قلت وکثرت اور چرب زبانی یا سادگی کی بنا پر انسان بھٹک جاتا ہے اور غلط فیصلہ لینے پر مجبور ہو جاتا ہے، اس لئے مؤلف قابل مبارک باد ہیں کہ انہوں نے اس اہم موضوع پر قلم اٹھایا اور اصلاح معاشرے کی ایک اچھی کوشش کی، اللہ تعالی ان کو جزائے خیر عطا فرمائے، علماء کرام کی تصدیقات اور تقریظات نے مزید کتاب کو باوزن بنا دیا ہے، امید ہے کہ قارئین استفادہ کریں گے۔

❁❁❁❁

نام کتاب: حدیقۃ الصالحین لرواۃ ریاض الصالحین
مؤلف: مولانا نیاز احمد بستوی ندوی
صفحات: ۹۶/
قیمت: ۵۵/روپئے
ناشر: مکتبۃ الکتاب والسنۃ، میدان پور، تکیہ کلاں، رائے بریلی

زیر تبصرہ کتاب مولانا نیاز احمد بستوی ندوی استاد مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور رائے بریلی کی ان صحابہ کرام کے بارے میں بہترین اور مختصر شاہکار کتاب ہے، جن سے مروی روایات امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی معرکۃ الاراء کتاب ''ریاض الصالحین'' میں جمع کی ہیں، چونکہ مولانا موصوف ایک عرصے سے حدیث کی اس مشہور کتاب کا درس دیتے ہیں، اس لئے انہوں نے دوران درس جن صحابہ سے یہ روایات مروی ہیں، ان کے مختصر حالات قلم بند کرنے کا اہتمام کیا ہے، اب تک وہ یہ حالات طلبہ کرام کو کاپیوں میں لکھواتے تھے، افادیت کے پیش نظر انہوں نے ان کو کتابی شکل میں شائع کر دیا، یہ ایک اچھی کوشش ہے، اور طلبہ عزیز کے لئے اور جو اساتذہ ''ریاض الصالحین'' پڑھاتے ہیں، ان کیلئے خاصے کی چیز ہے، کتابت وطباعت عمدہ اور سرورق نہایت ہی خوبصورت ہے۔

مولانا محترم بہت ہی قابل مبارک باد ہیں کہ انہوں نے یہ اہم کام انجام دیا، اللہ تعالی مولانا محترم کو اس مبارک کام پر جزائے خیر عطائے فرمائے اور ان کے اس عمل کو قبول فرمائے، طلبہ کرام سے امید کی جاتی ہے کہ وہ اس کتاب کو حاصل کر کے فائدہ اٹھائیں گے۔

❁❁❁❁